مسٹر پانچ سو پچپن

اکرم الہ آبادی

جاسوسی دائرہ سیریز

مسٹر پانچ سو پچپن

اکرم الہ آبادی

Akram Allahabadi

فرحت پبلیکیشنز۔ ممبئی۔ انڈیا

جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ ہیں

اس ناول میں شائع ہونے والے تمام واقعات،
مقامات و کردار فرضی ہیں۔اس سے کسی طرح
کی مطابقت محض اتفاقیہ ہے۔جس کی مصنف،
پبلشر و پرنٹر پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔

اس ناول کی دوبارہ اشاعت، ترجمے یا کسی اور مقصد سے استعمال کے
لئے پبلشر کی تحریری اجازت ضروری ہے ورنہ قانونی چارہ جوئی کی جائے گی۔

پرنٹر:۔۔۔۔۔ممبئی۔انڈیا

Akram Allahabadi

بالے ریس کورس میں

آج سپرنٹنڈنٹ خاں کے ساتھ سارجنٹ بالے کی بھی ریس ڈیوٹی تھی۔ خان تو اس وقت فیلڈ میں کہیں گھوم رہا تھا اور بالے کی دوربین گھوڑوں کی بجائے ریس کھیلنے والوں کے ہجوم میں خوب صورت چوکھٹے تلاش کر رہی تھی۔ عادت بھلی ہو یا بُری، لیکن حسن پرستی اس کی فطرت بن چکی تھی۔ اور وہ اس سے مجبور تھا۔ وہ اسے کوئی اخلاقی جرم بھی نہیں سمجھتا تھا، کیوں کہ اس کے نزدیک کسی خوب صورت چیز کو دیکھ کر دل ہی دل میں اس کی تعریف کر لینا کوئی گناہ نہ تھا۔ خوب صورتی ہوتی ہی اس لیے ہے کہ اس کی تعریف کی جائے۔ البتہ یہ ایک قطعی مختلف بات تھی کہ ان میں سے کوئی اگر اسے لفٹ دے تو وہ اسے اپنی عاشقانہ سعادت مندی کے ساتھ قبول کر لے۔

ترقی پسند سوسائٹی میں ایسی دل چسپ ملاقاتیں ایسی دوستیاں بری نظر سے نہیں دیکھی جاتیں۔

اس وقت وہ سرکل سے لگی کھڑی اس پیازی ساڑی والی پیازی رنگ کی لڑکی کو دیکھ رہا تھا، جس کے ایک ہاتھ میں ریس بک تھی اور دوسرے ہاتھ سے وہ ہوا میں چپو چلا چلا کر بک اپ، پپلی صاحب، بک اپ، چلا رہی تھی۔

پپلی صاحب فلمی اداکار کامیڈین آغا کا گھوڑا تھا، جو اس نام سے اپنے مالک کی پپلی ذہنیت کا کارٹون بن گیا تھا، ورنہ جانور اچھا خاصا تھا اور اگر اس کا کوئی شان دار نام رکھا جاتا تو وہ خود بھی شان دار معلوم ہوتا۔

لڑکی اس قدر چیخ چکی تھی کہ اس کی آواز تقریباً بیٹھ چکی تھی۔ اسے اس بات کا بھی ہوش نہ تھا کہ کوئی اگر سنجیدگی سے اس وقت اس کی والہانہ کیفیت کا مطالعہ کرے تو یقیناً ہنس

پڑے گا۔اور اسی پر کیا منحصر، مہالکشمی کے اس ایک میل لمبے ریس کورس میں جتنے بھی ریس کے کھلاڑی موجود تھے ان کا بھی یہی عالم تھا۔ وہ حلق پھاڑ پھاڑ کر اپنے اپنے منتخب کردہ گھوڑوں کے لیے اس طرح چلا رہے تھے، جیسے ان کا وہ محبوب، بل کہ اس وقت کے لیے محبوب سے بھی کچھ بڑھ کر نظر آنے والا ڈارلنگ گھوڑا ان کی آواز سن ہی رہا ہوگا۔اور جیسے وہ عین حیاداری کے ساتھ ان کی بکپ پر کپ لا کر ہی آئے گا۔

خدا جانے ریس کے گھوڑے ان مختلف قسم کے انسانوں کی مختلف آوازیں سنتے یا سننے پر بھی تجاہلِ عارفانہ برتتے ہوں، لیکن اپنی تقدیر کو داؤ پر لگانے والے ریس کے کھلاڑی ضرور یہ سمجھتے کہ جا کی سے لے کر ان کے گھوڑے کے فرشتے تک ان کی پکار سن رہے ہیں اور جیسے وہ ان کے حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخنے سے متاثر ہو کر ہی ایڑی چوٹی کا زور لگائیں گے۔

ریس کے گھوڑے مقابلہ بازی کے عادی ہو چکے تھے اور اپنے سے آگے جانے والے کو مار کے آگے نکل جانے کی کوشش ان کی معمول بن چکی تھی۔اس لیے وہ یہ پرواہ کیے بغیر کہ کتنوں کے حلق بیٹھے اور کتنوں کے گھر، اپنی مرضی اور اپنے بل سے دوڑتے، بشرطیکہ جا کیوں کی مرضی بھی شامل حال رہے اور یہ بات یقینی تھی کہ ان میں سے کوئی نہ کوئی اول ضرور آتا۔بس یہی اول آنا ان آدمیوں کے گلے پھاڑنے کی صلاحیت کی سند بن جاتا جو اس گھوڑے کو اس وقت اپنی جان، ایمان، باپ، چچا، غرضیکہ سب کچھ تسلیم کرنے کو تیار ہوں۔

لیکن جتنی تیز ادھر ریس چلتی، کبھی کبھی اتنی ہی تیز قینچیاں بھی اس بھیڑ بھاڑ میں چلا کرتی تھیں۔شان دار قسم کے مہذب اور غیر مہذب جیب کترے ریس کورس کو شیئر بازار سمجھ کر ریس دیکھنے کا ٹکٹ لے کر آتے اور دوسروں کی جیبوں سے اس سے کہیں زیادہ رقم وصول کر لیتے۔ وہ آدمی جو بھیڑ میں بھی اپنی جیبوں کا خیال رکھتا، وہ یقیناً ریس کے میدان میں دوڑتے گھوڑوں کا خیال نہیں رکھ سکتا تھا۔

بہر حال بات اگر جیبوں سے جیب کتروں تک ہی رہتی تو پولیس کا معمولی انتظام

بھی کسی نہ کسی طرح اس سے نپٹتا رہتا، لیکن چند دنوں سے یہاں کچھ زیادہ سنسنی خیز قسم کے واقعات رونما ہونے لگے تھے، جن کے لیے خفیہ سراغ رسانی کی جرائم برانچ کے انچارج سپرنٹنڈنٹ خاں کو پچھلے چار ہفتوں سے خود اپنی اتوار کی تعطیلیں ضائع کرنی پڑ رہی تھیں اور اگر ریس کورس میں تقدیر کے جواریوں کے ساتھ ساتھ حسین چوکھٹوں کی بھی بھرمار نہ ہوتی تو سارجنٹ بالے اس بے موقع اسسٹنٹی پر زبردستی کا مریض بن کر کسی اسپتال میں پڑا رہنے کو ترجیح دیتا۔

گزشتہ ہفتے یہاں ایک بڑی ریس میں سوفی صدی اول آنے کے امکانات رکھنے والے گھوڑے 'ملکی اسٹار' کو نہ جانے کس طرح پانچ یونٹ مارفیا کا انجکشن دے دیا گیا تھا، جس سے وہ آدھی فیلڈ میں ہی لڑکھڑا کر گر پڑا۔ اسے شاید کوئی قدرتی اتفاق سمجھ کر ٹال بھی دیا جاتا، لیکن ایک تو وہ ہزاروں آدمی اس پر چیخ اٹھے، جن کی جیبوں سے ڈھائی سے لے کر سینکڑہ اور ہزار تک کی رقمیں اس پر لگی ہوئی تھیں، دوسرے پولیس کو اور زیادہ متوجہ اس لیے ہونا پڑا کہ یہ گھوڑا مہاراجا رتن پور کا تھا۔ انھوں نے گھوڑے کا میڈیکل اگزامینیشن کرنے پر ہی اکتفا نہیں، بل کہ یہ معلوم ہونے پر کہ اسے پانچ یونٹ مارفیا کا انجکشن دیا گیا تھا، وہ پولیس کے اعلیٰ حکام سے لے کر وزیروں تک پہنچ گئے اور سپرنٹنڈنٹ خاں کی یہاں موجودگی اسی کا نتیجہ تھی۔ ہفتہ بھر کی تفتیش سے بھی کسی طرح اس بات کا سراغ نہیں لگایا جا سکا تھا کہ یہ کس کی حرکت ہو سکتی ہے۔ ویسے کیمیکل اینالائزر گھوڑے کے پسینے کی جانچ کر کے یہ رپورٹ دے چکا تھا۔ مارفیا کے پانچ سی سی کے انجکشن کا ردِعمل گھوڑے کے پاگل ہو جانے کے امکان سے اس کی موت واقع ہو جانے تک پہنچ سکتا تھا۔ اس لیے شبے کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ گھوڑے کو ختم ہی کر دینے کی کوشش کی گئی ہو۔

سائیس سے لے کر ٹرینر، جاکی، امیر، روز، اسٹارٹر اور ریس کورس کے منتظمین تک کے بیانات لیے جا چکے تھے اور اصطبل سے لے کر ریس کورس تک تحقیقات ہو چکی تھی، لیکن

جب پولیس اسی طرح کوئی سراغ نہ لگا سکی تو یہ عجیب سا کیس سپرنٹنڈنٹ خاں کے سپرد کر دیا گیا۔ کیس کیسا ہی ہو، ڈسپلن کے مطابق خاں اس میں دل چسپی لینے پر مجبور تھا۔ اور پھر خود ہز ہائی نس رتن پور ذاتی طور پر بھی اس کے پیچھے پڑے ہوئے تھے کہ ایک لاکھ ۸۰ ہزار کے ان کے اس گھوڑے کی کریڈٹ خراب نہ ہونے پائے۔ انھیں گھوڑے کی قیمت سے زیادہ اس کے نام کی فکر تھی۔ اور خاں کے پرسکون موڈ کے برخلاف بالے کو اسی ایک بات پر سب سے زیادہ جھنجلاہٹ تھی کہ ان کے فرائض اب مجرموں سے پھیل کر گھوڑوں پر آ گئے ہیں۔ جب سے یہ کیس ہاتھ میں آیا تھا وہ کم از کم سو بار ریومیہ کے حساب سے ریس کورس کے مداحوں پر، ریس کھیلنے والوں پر اور اپنی سارجنٹی پر لعنت بھیج چکا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ پانچ یونٹ مارفیا کا یہ انجکشن اگر کسی الو کے پٹھے نے گھوڑے کی بجائے ہز ہائی نس کو ہی دیا ہوتا تو نہ رہتا بانس نہ بجتی بانسری۔ ہز ہائی نس اپنی ریاست سمیٹ کر فرشتوں کو حساب دینے چلے جاتے اور ان کا قاتل پھانسی پر۔ لیکن یہ کیا بات ہوئی کہ گھوڑا لڑکھڑا گیا اور پولیس دوڑ پڑی۔

پھر بھی اس کی کوئی منطق چل نہ سکی کیوں کہ خاں کے موڈ میں ذرا بھی جھنجلاہٹ کے آثار نہ تھے۔ وہ اپنے اتوار اس ڈیوٹی کی نذر کر کے بھی پرسکون اور ہشاش بشاش، جیسے وہ ایک ایسی مشین ہو جسے اوورہالنگ کی ضرورت ہی نہ ہو۔

بالے سے چپ نہ رہا گیا تو وہ ایڑیوں کے بل کھڑے ہو ہو کر چیخ رہا تھا۔ ''بک اپ، پپلی، بک اپ۔''

''اور ایک وہ ہی نہیں، پپلی صاحب پر اور بھی بہت سے امیدیں لگائے بیٹھے تھے۔ ان میں سے بعض کی آوازیں چیخ چیخ کر بیٹھ گئی تھیں اور بعض پیپس کی گولیاں چوس چوس کر از سرِ نو بک اپ بازی میں مصروف تھے۔ کسی کو کسی کا ہوش نہ تھا۔ سب کی نظریں پانچویں ریس میں دوڑتے اس سات نمبر کے گھوڑے پر لگی ہوئی تھیں جس پر ایک مچھر قسم کا تانتیا جا کی بیٹھا بار بار مینڈک کی طرح گھوڑے کی دُم سے سر کی طرف اچھل رہا تھا۔ پپلی صاحب کو اپنے ہزاروں

امیدواروں سے ہم دردی رہی ہو یا نہ رہی ہو، لیکن وہ اپنی ایڑی چوٹی کا زور ضرور لگائے ہوئے تھا، مگر جب ونگ پول سے نصف فرلانگ دور پر انھیں بدرالدین جلال کے سلمان نے مار لیا تو ان کے چاہنے والوں نے نئے سرے سے ان کی عزت افزائی شروع کر دی۔ سلمان بدرالدین کا نیا گھوڑا ایک شان دار مستقبل لے کر اس میدن میں داخل ہوا تھا۔ پلپلی صاحب کو مارتے ہی سلمان کا شور مچ گیا۔ پلپلی صاحب کے ایک ہم درد نے جلے دل سے چلا کر کہا۔

''بے، بکپ، الو کے پٹھے۔''

''او سالے پلپلی صاحب، کل کے لونڈے سے پسر گیا۔ ابے بکپ۔''

''آں سوں چھے، پلپلی صاحب، بکپ۔''

''سالا، جیسا مالک پلپلی ویسا گھوڑا پلپلی۔''

''دھات تری کی، ابے کون سی ماں کا دودھ پیا تھا خچر نے...''

''اے یور اسکل، کم آن... کم آن سالا جنگلی...''

''آہاہا...'' وہ پھر بڑھا۔ ''ابے مار، ابے مار... لے لے لے... وہ مارا...''

اور جوشِ نظارہ جنگ میں اس 'وہ مارا' والے کا ہاتھ پاس کھڑے ہوئے ایک نازک سی قسم کے منشی آدمی کے منہ پر پڑ گیا۔ اس بے چارے کی سنہری فریم کی عینک نیچے گر پڑی اور اسے ایک کے چار نظر آنے لگے۔ اور جب تک وہ نیچے جھک کر ساون کے اندھے کی طرح زمین ٹٹولے، بھیڑ میں کسی نے پلپلی صاحب کے دیدار کی تمنا سے بے خود ہو کر جھومتے ہوئے سروں کی کھوپڑیوں پر سے اچھلتے ہوئے اس عینک کو کئی حصوں میں تقسیم کر دیا۔ اسے بلانے والے شاید یہ سمجھ رہے تھے کہ وہ جو کچھ بول رہے ہیں، آغا کا عقل مند نوکر اسے حرف بحرف سمجھ رہا ہوگا اور ریس کے میدان میں آنے والا ہر سمجھ دار سے بھی سمجھ دار آدمی نہ جانے کیوں ریس شروع ہونے کے بعد اس غلط فہمی کا شکار رہتا ہے کہ ریس کے گھوڑے، یا کم از کم وہ گھوڑا، جس پر اس نے اپنی جیب خالی کی ہے، دنیا کی نہ سہی تو ہندوستان کی تمام زبانوں کا ماہر ہوتا ہوگا۔

Akram Allahabadi

پلپلی صاحب اب پھر بدرالدین کے سلمان کو دبا کر آگے نکل رہا تھا، لیکن ان دونوں گھوڑوں کی آپس کی مقابلہ بازی نے تیسرے کو موقع دے دیا۔ اس کا نام گولڈ اسٹیشن تھا۔ وہ ان دونوں کو مارتا ہوا نکل گیا۔ چناں چہ 'پلپلی صاحب بکپ، بکپ پلپلی صاحب اور تیز' کی آوازیں آنا شروع ہوگئیں۔ ساتھ ہی گولڈ اسٹیشن کا شور بڑھ گیا۔ سلمان اب بھی پلپلی صاحب کو کسی قدر دبائے جا رہا تھا۔

''بوکوپ پولپولی صواحیب۔'' بالے بھی اس لڑکی کے بازو سے منہ بنا کر چیخنے لگا۔ اور وہ اس پرکشش شخصیت کے سرخ وسفید تن درست نوجوان کو عجیب سی نظروں سے دیکھنے لگی، جیسے اس نے کسی ہنس کے منہ سے کوئے کی آواز سن لی ہو۔

''اے مسٹر، ذرا ہٹ کے۔'' وہ اسے چلاتے چلاتے اپنی ہی طرف بڑھتا دیکھ کر بولی۔

''ہٹ کے نہیں، وہ پولپولی صاحب ہے۔'' بالے نے چہرے پر بھولے پن کے آثار پیدا کر کے کہا۔ اور پاس کھڑے ہوئے دو دوسرے آدمی ہنس پڑے۔

''صاحب، بیلنگ؟'' ایک سانولا سا جوان چھوکرا ان کے قریب سے گزرتے ہوئے آہستہ سے بولا۔

''گھوڑی بڑھاؤ، بھائی۔'' بالے نے ہاتھ سے اسے آگے جانے کا اشارہ کر دیا۔ وہ لڑکی اب بالے کو دل چسپ نظروں سے گھور رہی تھی۔

''آپ بنگالی تو نہیں معلوم ہوتے؟'' اس نے خود ہی سلسلۂ کلام چھیڑ دیا۔ اور بالے کو ریس کا میدان مونجنی کا بال روم نظر آنے لگا۔

''جی نہیں، بنگال میں پیدا ہونے کا میرا کوئی ارادہ نہیں۔''

''یعنی آپ صاف اردو بول رہے ہیں۔''

''میں دنیا کی ۲۳۱ زبانوں کا پنڈت جواہر لال نہرو ہوں، میرا مطلب عالم فاضل وغیرہ۔''

''تب تو آپ ضرور کسی کالج یا یونیورسٹی کے پروفیسر ہوں گے۔''

''میڈم، آپ کا پلپلی صاحب۔'' بالے نے اس کی توجہ پھر اس کی طرف کر دی۔

''چھوڑیے، پوت کے پاؤں تو پالنے ہی میں نظر آ رہے ہیں۔ اب کیا خاک جیتے گا۔''

''اور آپ کو اس کا غم بھی نہیں، کم از کم آپ کی جگہ میں ہوتا تو ضرور خودکشی کر لیتا۔''

جواب دینے کی بجائے وہ ہنس پڑی۔ ''آپ دل چسپ آدمی معلوم ہوتے ہیں۔''

''ہائے، پھر سے کہیے ذرا۔'' بالے نے کچھ اس انداز سے سرد سانس کھینچی کہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو شاید جوتوں سے اس کی خاطر کر دیتی، لیکن وہ بدستور مسکراتی رہی۔

گولڈ اسٹیشن جیت گیا اور باقی گھوڑوں پر رقمیں لگانے والے سر پکڑ کر رہ گئے۔ پلیس میں سلمان نے نمبر مارا تھا۔

''ہیلو، نیشا۔'' پشت سے سنائی دینے والی آواز نے اس لڑکی کو چونکا دیا۔

بالے نے گھوم کر دیکھا۔ ایک گندمی رنگ کا اوسط قد و قامت جوان سا آدمی جو گبیڈین کے فاختئی سوٹ میں ملبوس تھا، ان کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اس کے سر کے بال کسی قدر گردن کی طرف بڑھے اور قلمیں دونوں طرف کانوں کی لَو کے برابر اور موٹی تھیں۔ وہ نہ زیادہ خوب صورت تھا نہ بدصورت، لیکن اس کا انداز اور رفتار بتا رہا تھا کہ اسے اپنی شخصیت کے پرکشش ہونے کی غلط فہمی ہے۔

''آپ کی تعریف؟'' وہ بالے کی طرف اشارہ کر کے لڑکی سے بولا۔

''مجھے شان مکھم چٹنی والا کہتے ہیں۔'' بالے نے خود اپنا تعارف کرایا۔

''جی، کیا فرمایا آپ نے؟'' نووارد نے دوبارہ سوال کیا۔

''شان مکھم... چٹنی والا۔''

''چٹنی والا؟''

''میرا سر نیم ہے۔ بمبئی کا ہر معزز آدمی 'والا' ضرور ہوا کرتا ہے۔''

''اوہ۔اور مجھے مدھوپال کہتے ہیں۔'' نووارد نے اپنی ایڑیاں ہلا کر اور سر کو ذرا سا جھکا کر کہا۔

''بھوپال؟'' بالے نے اظہارِ حیرت کیا۔

''جی نہیں، مدھو...پال۔'' وہ بولا۔

''آپ تو شاید انھیں جانتے ہوں گے، یہ مشہور فلم اسٹار ہیں۔'' لڑکی نے مزید تعریف کر دی۔

''ارے، تو آپ ہیں۔ بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔'' بالے نے اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

''اور مس نیشا کو تو آپ جانتے ہی ہوں گے؟'' مدھوپال نے کہا۔

''جی بس یہیں ملاقات ہوئی۔''

''ارے صاحب، نمبر ون ڈانسر، کیا غضب کا ناچتی ہیں کہ بس۔''

''اوہ۔'' نیشا جیسے کچھ یاد کر کے چونکی۔ ''آپ لوگ گفتگو کیجیے، میں ابھی آئی۔'' وہ یہ کہتی ہوئی ان کے جواب کا انتظار کیے بغیر ایک طرف چل دی۔ بالے بھی کھسکنا چاہتا تھا، لیکن وہ مدھوپال پنجے جھاڑ کر اس کے پیچھے پڑ گیا۔ وہ زبردستی اپنا تفصیلی تعارف کرا رہا تھا اور بالے سوچ رہا تھا کہ وہ لڑکی شاید اپنی بلا اس کے سر منڈھ کر بچ نکلی۔ باتیں تو وہ مدھوپال سے کر رہا تھا، لیکن اس کی بغیر دوربین کے دور تک دیکھنے والی نظریں اس وقت بھی بھیڑ میں اس لڑکی کا تعاقب کر رہی تھیں۔ وہ خوب صورت تو تھی ہی، لیکن میک اپ نے اسے اور خوب صورت بنا دیا تھا۔ وہ جدھر سے گزر رہی تھی، خواہ مخواہ لوگوں کی نظریں اس کی طرف اٹھتی جا رہی تھیں۔

بالے نے دیکھا وہ کیش ونڈو سے کچھ دور رک کر ایک دوسری عورت سے کچھ گفتگو کرنے لگی، شاید وہ اس کی کوئی سہیلی تھی، جس سے اتفاقیہ ملاقات ہو گئی تھی۔ وہ دونوں ہنس ہنس کر گفتگو کر رہی تھیں اور یہاں مدھوپال بالے کا دماغ چاٹے جا رہا تھا۔

''آپ نے وہ فلم دیکھی تھی، ساون کا اندھا؟''

''میں صرف انگریزی فلمیں دیکھتا ہوں۔'' بالے نے بات مختصر کرنے کے لیے کہا۔

''آپ بالکل غلط کرتے ہیں، آپ میں قوم پرستی کا جذبہ نہیں ہے شاید۔ ہندوستانی فلمیں انگریزی فلموں سے اچھی ہوتی ہیں۔ آپ میری ہی فلمیں دیکھیے، میں پورا باب ہوپ، بل کہ اس کا بھی باپ نظر آتا ہوں۔''

''آئندہ دیکھنے کی کوشش کروں گا۔'' بالے نے پیچھا چھڑانے کے لیے وعدہ کیا۔

''کوشش نہیں، ضرور دیکھیے۔ میں نے 'لاٹ صاحب' میں ہیرو کے سالے کا کردار ادا کیا ہے، 'چڑی کے غلام' میں، یہ غلام سب سے آگے ہے، 'نو دو گیارہ' میں، میں ہیروئین کے باپ کا چپڑاسی بنا ہوں، 'علی بابا چالیس چور' میں چوروں کا سردار بنا ہوں، 'کاٹھ کا الو' میں تو آپ مجھے ہیرو پائیں گے، 'چار کان بارہ ہاتھ' میں، میں نے پاپڑ والے کا رول پلے کیا ہے۔'' وہ بغیر سانس توڑے بولتا گیا۔ ''اور 'اچھوت' میں، میں نے جھاڑو لگائی ہے۔''

''ضرور لگائی ہوگی۔'' بالے نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''یہ آرٹسٹ کی شان ہے کہ وہ گھٹیا سے گھٹیا کیرکٹر کو اس کے اصلی رنگ میں بٹھا دے۔'' وہ بالے سے فلسفۂ اداکاری پر بحث کرنے لگا۔

''میں بھی فلم بناؤں گا تو آپ کو ضرور ہیرو لوں گا۔'' بالے نے نیتا کو پلٹ کر اسی طرف آتے دیکھ کر کہا۔

''آپ میری ایڈوانس بکنگ کر سکتے ہیں۔ میرا مطلب ہے بندہ ہر طرح حاضر خدمت ہے۔ میں نئے پروڈیوسروں کے ساتھ اس قدر کوآپریٹ کرتا ہوں کہ وہ مجھے اپنی سگی اولاد سمجھنے لگتے ہیں۔''

''بڑے بے وقوف ہوں گے۔''

''جی؟ کیا مطلب؟''

Akram Allahabadi

''میرا مطلب ہے اتنے بڑے آرٹسٹ کو اپنی سگی اولاد بنا لینا بے وقوفی ہی تو ہے۔''

''نہیں، صاحب، مجھے اپنی بڑائی کا کوئی زعم نہیں۔ دیکھیے نا پچھلے مہینے ہی امریکہ کے بہت بڑے اخبار 'نیویارک ٹائمز' نے...''

''نیویارک ٹائمز۔'' بالے نے تصحیح کر دی۔

''جی ہاں، وہی وہی۔ اس نے میرا فوٹو سرورق پر چھاپ کر لکھا تھا، وہ ملک قابلِ فخر ہے جہاں ایسے اداکار پیدا ہوتے ہیں۔ اور، صاحب، اداکاری کی قدر تو کچھ ہالی ووڈ والے ہی جانتے ہیں۔ ہمارے ہندوستانی پروڈیوسر تو اس کا ففٹی پرسنٹ بھی نہیں سمجھتے۔''

''کیا آپ مختصر نہ ہو سکیں گے؟'' بالے جھنجلا گیا۔

''کیا فرمایا، آپ نے؟ یعنی یہ کیسے ممکن ہے، آدمی بڑھ سکتا ہے، مختصر کیسے ہو سکتا ہے؟'' وہ حیرت سے بولا۔

''میرا مطلب ہے اپنے مکالموں میں۔''

''اوہ، میں نے تو بہت مختصر تعارف کرایا ہے اپنا، ویسے اگر پکچر ور پکچر تعارف کراؤں تو...''

''تو مجھے انسائیکلوپیڈیا آف مسٹر مدھوپال لکھنی پڑ جائے۔'' بالے بات کاٹ کر بولا۔

''آپ نے تو میرے منہ کی بات چھین لی۔''

''مسٹر مدھو۔'' نیشا کی اترائی ہوئی آواز نے سلسلۂ کلام منقطع کر دیا۔ وہ اس وقت بڑے محبوبانہ انداز سے ٹل کھاتی قریب آ رہی تھی۔

''دیکھا آپ نے، دیکھا۔ ان کے چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے تک میں بھارت نائیم کی شان ہے۔ تبھی تو میں ان کے ناچ پر مرتا ہوتا ہوں۔' مدھوپال کی زبان اب نیشا کی تعریف میں چل پڑی۔

''کتنی بار مرے ہیں آپ؟''

Akram Allahabadi

''کتنی بار؟ جناب، میں تو وہ..یعنی جیسے شاعر لوگ مرا کرتے ہیں،اس طرح مر رہا تھا۔''

''خیر،اب کی بار جب مریں تو مجھے اطلاع کر دیجیے گا، میں کریا کرم اپنی طرف سے کردوں گا۔''بالے کے الفاظ میں اب بھی جھنجلاہٹ تھی،جس پر نیشا تو کھل کھلا کر ہنس پڑی،مگر مدھوپال کا منہ بن گیا۔

مگر اسی وقت چھٹی ریس شروع ہوگئی۔

اس بار پھر شاید وہ لوگ کسی گھوڑے پر کھیلنے والے تھے جس کا نام بالے کو اس وقت معلوم ہوا جب اس نے ان کی چیخیں سنی۔ وہ اب 'بکپ شہسوار خاں' چلا رہے تھے۔ایک گھوڑے کا یہ خوب صورت نام کسی کافی پڑھے لکھے آدمی کی جدت معلوم ہوتی تھی اور بالے کا تو جی چاہا کہ ریس بک ہی پھاڑ کر پھینک دے۔لیکن اس نے تو محض خود کو ریس کا شوقین ظاہر کرنے کے لیے بک خرید رکھی تھی۔وہ اب ان کے پاس سے کھسکنا چاہتا تھا۔مگر خان بھی اسے کہیں نظر نہیں آرہا تھا۔اور خان کی ہدایت کے مطابق اسے اسی سمت موجود رہنا چاہیے تھا۔

''اچھا، بتایے تو کون سا گھوڑا اس ریس میں جیتے گا؟''نیشا نے اٹھلاتے ہوئے بالے سے پوچھا۔

''بتادوں؟''بالے نے پھر پر مذاق موڈ پیدا کرلیا۔''مگر پھر آپ لوگ میرے پیچھے نہ پڑ جایے گا، میں صرف ایک ہی بار بتایا کرتا ہوں۔''بالے نے انھیں بے وقوف بنانے کے لیے زبردستی کی دھونس گانٹھنی شروع کی۔

''ہونہہ، جیسے آپ پہنچے ہوئے ہی تو ہیں۔''اس بار مدھوپال اس پر طنز کر بیٹھا۔

''خیر، میں تو بہت دور دور تک پہنچا ہوا ہوں، ویسے اس ریس میں تیسرے نمبر کا گھوڑا 'سٹیل پرنس' ہی جیتے گا۔''بالے نے حسن بن صباح کی طرح بے پر کی ٹھونکی۔بات سچ ہوگئی تو فقیری یا ولایت کا دعوہ اور جھوٹ ہوئی تو مذاق۔

''ارے میاں، جاؤ،ایسے کتنے چار سو بیس روزانہ یہاں نمبر بتایا کرتے ہیں۔''پاس

میں کھڑا ہوا ایک رام پوری قسم کا آدمی زبردستی بالے سے الجھ پڑا۔

''چہ خوش۔آپ سے کس نے کہا ہے کہ آپ اس پر ایمان لے آیے؟'' بالے نے سنجیدگی سے اسے جواب دیا۔

''ہونہہ، بڑے آئے طرم خاں کی مونچھ۔'' یہ کہہ کر اس نے اپنا منہ پھیر لیا۔

لیکن حسنِ اتفاق ہی کہا جا سکتا ہے کہ اس ریس میں جو گھوڑا اول آیا، وہ اسٹیل پرنس ہی تھا۔پاس کھڑا ہوا رام پوری پلٹ پڑا۔اس نے بے تحاشا بالے کے ہاتھ چومنا شروع کر دیے اور اتنے چومے کہ بالے کو لاحول پڑھتے ہوئے اپنا ہاتھ چھڑا کر اس پر لگے ہوئے رام پوری کے لبوں کے تھوک کو رومال سے پوچھنا پڑا۔ایسے عقیدت مندوں کو وہ کیا کہتا۔

''میاں حضور، غلطی ہو گئی پہچاننے میں۔قسم اللہ کی، پیر دھو دھو کر پیوں گا، بس ایک بار ایک گھوڑا اور بتا دیجیے۔'' وہ بضد ہو گیا۔اور اس کی باتیں سن کر آس پاس کھڑے ہوئے دوسرے لوگوں کے بھی کان کھڑے ہو گئے۔حالاں کہ بالے کے کان اس وقت ایک ایسے آدمی کی آواز پر لگے ہوئے تھے جو شاید خوشی سے بے قابو ہو کر ٹریبل پول بڑبڑاتا، کیش ونڈو کی طرف جا رہا تھا۔مدھو پال ایک بے جان مجسمہ بنا بالے کو عجیب سی نظروں سے گھور رہا تھا۔

''آج نہیں، اگلے ہفتے۔'' بالے نے رام پوری سے پیچھا چھڑانے کے لیے زبردستی کا وعدہ کیا۔

''میاں حضور، صرف ایک۔'' وہ کھڑے کھڑے ہی بالے کے ہاتھ دبانے لگا۔

''بس کہہ جو دیا ایک بار، ورنہ پھر وہ بھی نہیں۔'' بالے نے اس پر رعب گانٹھنے کے لیے آنکھیں نکال لیں۔وہ اس اپ ٹو ڈیٹ درویش بے ریش کے نظر نہ آنے والے جلال سے کانپ سا اٹھا۔

اچھا میاں اچھا، جی آپ خفا نہ ہوں۔اپنی عاقبت سدھر جائے گی۔'' اس نے لجاجت آمیز لہجے میں کہا۔مدھو پال کا اسٹیچو (Statue) اب بھی جاری تھا، جیسے وہ کھڑے

Akram Allahabadi

کھڑے مراقبے میں چلا گیا ہو۔

''آپ کو کیسے معلوم ہو گیا تھا بھلا؟'' نیشا نے بالے کو تذبذب کی نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔

''لڑکی، تم ہمیں کیا جانو، ہم کیا کیا بھیس بناتے ہیں۔ یہ کچھ معرفت والے ہی جانتے ہیں۔'' بالے نے کسی مزار کے تجربہ کار مجاور کی طرح سینہ پھلا کر کہا اور اس کی اس اداکاری سے آس پاس والے بھی مرعوب ہو گئے۔

''ارے آپ۔'' مدھو پال اتنی دیر بعد جیسے اسے پہچان کر اچھلا۔ ''یا پیر و مرشد، یہ کم ترین، الو کا پٹھا، نالائق، حضور کو اس رنگ میں پہچان ہی نہیں سکا تھا، حالاں کہ حضور کی درگاہ پر لاکھوں سلامیاں دی ہیں۔ بس اب تو دامن نہیں چھوڑوں گا، بابا جھولے شاہ۔'' اس نے اپنی گرم پتلون کے خراب ہونے کی پرواہ کیے بغیر ایک گھٹنا زمین پر ٹیک کر اس کا دامن تھام لیا۔

بالے نے تو محض ایک مذاق کیا تھا، لیکن یہ بھول کر کہ اگر خدانخواستہ وہ سچ نکل آیا تو بمبئی والے جو فٹ پاتھ کے کنارے کسی دم توڑتے فقیر کی تشنج میں مسکراتے اور اس کی انگلیاں گن کر سٹے کا نمبر لگاتے ہیں، وہ اس کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ بہت سے لوگ اسے خاموشی سے دیکھتے رہ گئے۔ شاید وہ اس بات کے منتظر تھے کہ اس اپ ٹو ڈیٹ بابا کو کیلے میں پکڑیں گے۔

بابا جھولے شاہ کے نام نے انھیں چونکا دیا تھا۔ اور وہ سنجیدگی سے یہ سوچنے لگے تھے کہ کہیں بابا اپنے معتقدین کو ریس جتانے کے لیے اپنے مزار سے یہاں بھیس بدل کر تشریف تو نہیں لے آئے ہیں۔

خدا جانے کتنی دیر میں اس کی جان اور مصیبت میں رہتی، لیکن ٹریبل پول کی چہ می گوئیوں نے کچھ دیر کے لیے لوگوں کی توجہ اور بانٹ دی اور بالے نے جب گھوم کر دیکھا تو نیشا بھی غائب تھی۔ دل چسپی کا رہا سہا سامان بھی ہاتھ سے جانے سے اس کے لیے اس جگہ اور

رہ کیا گیا تھا، لیکن مدھوپال اب بھی اس کا پیچھا چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھا۔

"آپ مجھے جب تک اپنا نام و پتا نہ دیں گے، میں پیچھا نہیں چھوڑوں، ایسے لوگ پھر ملتے کہاں ہیں۔" وہ اس کے پیچھے چلتے ہوئے بولا۔

"اچھا بابا لے، مگر کسی اور کو بتایا تو اسی ہفتے میں مر جاؤ گے۔" بالے نے بزرگانہ شان سے اسے دھمکی دی اور ساتھ ہی اپنے دوست پی ڈبلیو ڈی کے ٹھیکے دار، جاگیردار شوکت کا پتا وغیرہ اسے لکھ کر دے دیا۔ اس نے یہ بھی بتا دیا کہ وہ موٹا سا آدمی میرا بھی پیر ہے، لاکھ انکار کرے، تم اس کے پیچھے ہی پڑ جانا۔

اس کا خیال تھا کہ ایک جیسے جب ایک جگہ ہو جائیں گے تو کافی لطف آئے گا۔ مدھوپال سے پیچھا چھڑا کر وہ ٹہلتا ہوا کیش ونڈو کے نزدیک پہنچ گیا۔ اس وقت وہ آدمی کیش ونڈو کے پاس سے ہٹ رہا تھا، جو ٹنبل پول پر بڑبڑاتا ہوا کھڑکی کی طرف دوڑا تھا۔ اس کا چہرہ کسی اتفاقیہ مسرت کے احساس سے سرخ ہو رہا تھا۔

"ارے، رتن چند، بڑے کھلے جا رہے ہو آج۔" ایک آواز نے اسے ٹوک دیا۔

آواز دینے والا کوئی سفید پوش گجراتی تھا۔ رتن چند اسے دیکھتے ہی رک گیا۔

اس وقت بالے کو نینا بھی نظر آئی۔ وہ اسی طرف آ رہی تھی اور رتن چند اس گجراتی سے گفتگو کرتا دروازے کی طرف جا رہا تھا، مگر بالے کا اندازہ غلط نکلا۔ نینا اس کے قریب نہیں آئی، وہ مدھوپال کو ڈھونڈ رہی تھی جو اپنی جگہ کھڑا ریس کورس بک دیکھ رہا تھا۔ بالے صرف اتنا دیکھ سکا نینا نے اسے کچھ اشارہ کیا اور وہ اپنی جگہ سے ٹہلتا ہوا ایک سمت بھیڑ میں جا گھسا۔ نینا اس کے پیچھے جا رہی تھی۔

بالے اس وقت تو یہ فیصلہ کر سکا کہ خان نے اسے اس طرف کیوں مقرر کر رکھا ہے جب کہ کوئی کارآمد بات نہ ابھی تک ظہور میں آئی ہے نہ اس طرح آنے کی امید ہے۔ اور پھر خان کا بھی پتا نہیں۔

Akram Allahabadi

وہ اس وقت نیشا اور مدھو پال وغیرہ کا خیال چھوڑ کر اوز زگیلری کی طرف چل دیا۔ پویلین میں گھوڑوں کے مالک اور کلب کے مستقبل ممبروں کے علاوہ معزز مدعوئین بھی موجود تھے۔اور خاص طور پر ہز ہائی نس رتن پوران میں نمایاں نظر آرہے تھے، کیوں کہ انھوں نے اپنی سفید شیروانی پر گلے میں سچے موتیوں کی مالا پہن رکھی تھی، جو ان کی روایتی ریاست پسندی کا ثبوت دے رہی تھی۔وہ ایک تنومند، بھاری جسامت والے، گورے چٹے آدمی تھے۔عمر ۴۰ کے لگ بھگ تھی، لیکن جوان معلوم ہوتے تھے۔چہرہ داڑھی مونچھوں سے بے نیاز اور بھرا ہوا تھا۔ سر پر ایک سفید صافہ تھا، جس کے اوپر کے سرے پر موتیوں کی ایک باریک سی لڑ پڑی ہوئی تھی۔ اچانک بالے کی نظریں ایک شخصیت کو داہنے کارنر سے پویلین میں داخل ہوتے دیکھ کر چونک پڑیں۔

وہ سپرنٹنڈنٹ خان ہی ہوسکتا تھا۔اس نے بھی بالے کو دیکھ لیا۔وہ نشستوں کے پیچھے سے ہوتا ہوا بالے کے قریب آگیا۔

''تم نے اسے دیکھا؟'' خان نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔

''کسے؟'' بالے نے بوکھلایا ہوا سا جواب دیا۔''اس لڑکی کو؟''

''جہنم میں گئی لڑکی، میں اس آدمی کا پوچھ رہا ہوں جس نے ٹریبل پول جیتا ہے۔'' خان نے جھنجلا کر جواب دیا۔

''کمال ہے، آپ نے مجھے... سمجھا ہے کیا؟ میں کیا جانوں کس نے جیتا ہے؟''

''تو تم کیا جھک مار رہے تھے وہاں؟''

''میں اپنی عاقبت درست کر رہا تھا۔ویسے اگر کسی شریف آدم نے ٹریبل پول جیتا بھی ہے تو ہمیں کیا؟''

''اور اگر چند گھنٹے بعد ہمیں اس کی لاش ملے تب بھی تم یہی کہو گے۔'' خان نے غصے میں کہا۔

Akram Allahabadi

''ہمیں کیوں ملے، ہم کیا اس کے رشتے دار...مگر، ارے کیا؟ اس کی لا...آش کیوں...ملے؟''

''وہ لڑکی کون تھی؟''

''ایک لڑکی۔''

''میں یہیں تمہارا بھیجا ٹھکانے کر دوں گا، ٹھیک سے بتاؤ؟''

''کوئی ڈانسر وانسر تھی۔''

''اور تم اتنا بھی نہ دیکھ سکے کہ وہ کیش ونڈو کے پاس تک چکر کیوں لگا رہی تھی۔''

''ارے ہاں، یاد آ گیا۔ میں نے ایک آدمی کو ٹریبل پول بڑبڑاتے سنا تھا، اسے کسی نے رتن چند کے نام سے مخاطب بھی کیا تھا۔'' بالے کو اچانک یاد آ گیا۔

''میں سمجھتا ہوں تم اتنی عقل رکھتے ہو گے کہ کس قسم کے لوگوں پر نظر رکھنی چاہیے۔''

''یہ لیجیے، دہری مصیبت۔ آپ ہی کہتے تھے کہ کسی جوان لڑکی پر نظر رکھنی بری بات ہے اور نہیں رکھی تو میں گدھا۔ یعنی چت بھی میری پٹ بھی۔''

''شٹ اپ، تم نے میرا کام بڑھا دیا۔''

''اللہ ترقی دے۔''

مگر خان نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ تیزی سے پویلین کے پچھلے دروازے سے نکل کر کاروں کی پارکنگ شیڈ میں پہنچ گیا۔ بالے کچھ نہ سمجھ کر بھی اس کا پیچھا کر رہا تھا۔

''اب میری دم سے لگے کیوں چلے آ رہے ہو؟''

''کہاں؟'' بالے نے زبردستی اپنی ہنسی روکنے کی کوشش کی۔

''جاؤ، اس لڑکی کو تلاش کرو، جلدی۔ میں اس آدمی کی زندگی شاید اب بچا سکوں۔''

یہ کہتے ہوئے اس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ اگر اسے جلدی نہ ہوتی تو بالے کو اس وقت کی حماقت کا خاصا مزا چکھا دیتا، لیکن خان کے جانے کے بعد بالے کو بھی شدت سے اس بات کا

Akram Allahabadi

احساس ہونے لگا کہ آج اس نے کسی خاص وجہ سے ڈیوٹی نہیں دی۔اور سچ تو یہ ہے کہ وہ خود اس تساہل کا قصوروار بھی نہیں سمجھتا تھا۔خان نے تو اسے صرف یہ کہہ کر اس طرف چھوڑا تھا کہ مشکوک لوگوں پر نظر رکھنا اور ریس کے میدان میں یا تو ہر شخص مشکوک نظر آتا ہے یا کوئی نہیں آتا۔

وہ یہ سمجھے بغیر کہ آخر رتن چند کی جان کیوں خطرے میں ہے،اس لڑکی کے بارے میں خان سے کیوں اس قسم کے الفاظ کہے، چاروں طرف نظریں دوڑاتا چلتا رہا۔لوگ اب بھی گھوڑ دوڑ کے دیکھنے میں اس قدر منہمک تھے کہ کسی نے نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا بھی نہیں۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

پراسرار موت

پولیس سائرن نے کوٹ گیری کی سوئی ہوئی آبادی کو چونکا دیا۔اس وقت رات ایک تہائی تک گزر چکی تھی۔آسمان پر چاند ہونے کی وجہ سے ہلکی ہلکی زرد روشنی حدِ نظر تک پھیلی ہوئی تھی۔کیری روڈ کی بلڈنگ نمبر ۲۷ کے دروازے پر آگے پیچھے ۲ پولیس کاریں جھٹکے سے رک گئیں۔اگلی گاڑی سے اترنے والے تین آفیسر تھے۔سب سے آگے سپرنٹنڈنٹ خان، اس کے پیچھے انسپکٹر ڈیسوزا، سب سے پیچھے سارجنٹ بالے۔

بالے اس انداز سے چل رہا تھا جیسے یہ بے وقت کی شہنائی اسے بارگزر رہی ہو۔ انسپکٹر ڈیسوزا یونیفارم میں تھا اور خان و بالے اپنے عام شہری لباس میں۔بلڈنگ سہ منزلہ تھی، اس میں لفٹ بھی لگی ہوئی تھی، لیکن شاید وہ مدت سے بے کار پڑی تھی۔کیوں کہ اس کا دروازہ تک زنگ آلود ہو چکا تھا۔

انھیں سیڑھیاں چڑھ کر ہی اوپری منزل میں پہنچنا تھا۔یہاں کاریڈور میں انھیں کئی قسم کے آدمی نظر آئے، جن کے چہروں پر استعجاب، تفکر اور ہراس کے جذبات نمایاں تھے۔وہ اسی منزل کے رہنے والے تھے۔خان، ڈیسوزا اور بالے کو دیکھ کر وہ راستے سے ہٹتے گئے اور خان بھی فلیٹ نمبر ۵ کے دروازے پر پہنچ کر رک گیا۔یہاں تین آدمی گویا پولیس کے ہی منتظر تھے۔وہ انھیں دیکھ کر خود آگے بڑھ آئے اور فلیٹ کے دروازے پر ایک پولیس کانسٹیبل بھی کھڑا تھا، وہ فوراً اٹینشن ہو گیا۔

''کون سے کمرے میں ہے؟'' خان نے رک کر کانسٹیبل سے پوچھا۔

''حضور، وہ سائڈ والے کمرے میں۔'' کانسٹیبل نے ادب سے جواب دیا۔اندر اس کمرے کا دروازہ جس کی طرف کانسٹیبل نے اشارہ کیا تھا۔

Akram Allahabadi

''کوئی اور آیا تھا؟'' ڈیسوزا نے کانسٹیبل سے پوچھا۔

''جی نہیں، حضور۔'' وہ بولا۔

وہ تینوں آدمی بھی ان کے پیچھے چل رہے تھے۔ بند کمرے کا دروازہ کھول لیا گیا۔

مگر وہ جیسے ہی اندر داخل ہوئے، بالے کچھ دیکھ کر چونک پڑا۔ ایک انسانی لاش کمرے کے فرش پر بچھے ہوئے قالین پر چت پڑی ہوئی تھی۔ کمرے میں ایک صوفہ سیٹ، ایک کتابوں کی الماری، ایک ڈریسنگ ٹیبل اور ایک بچوں کی میز پڑی ہوئی تھی۔

کمرے کے سامان میں کوئی بے ترتیبی نظر نہیں آتی تھی، لیکن اس سے زیادہ حیرت انھیں اس لاش کا معائنہ کرنے پر ہوئی۔ کیوں کہ عجیب طریقے سے اس کی موت واقع ہوئی تھی۔ اس کے منہ سے بہت سا جھاگ نکل کر فرش پر پھیل گیا تھا اور بدن پر سرخ سرخ دانے ابھر آئے تھے۔ خان نے جب اسے اچھی طرح پلٹا تو بالے چونک پڑا۔

''ارے، یہ تو وہی ہے۔'' اس کے منہ سے نکلا۔ ''ٹریبل پول والا۔''

''یہ کیسے ہوا؟'' خان ان تینوں آدمیوں میں سے ایک کی طرف پلٹا۔

''ابھی ایک گھنٹہ پہلے سیٹھ رتن چند کہیں باہر سے آئے تھے۔ اس وقت وہ اچھے تھے۔''

''اس فلیٹ میں اور کون کون رہتا ہے؟''

''صرف ہم تین۔ میں اس کا بھتیجا ہوں، یہ مرحوم کے سالے ہیں اور یہ ہمارا نوکر شیورام ہے۔''

''انھیں کوئی بیماری تو نہ تھی؟''

''بیماری؟ نہیں تو، وہ تو بالکل تن درست تھے۔''

''... کے بیماروں کو اکثر ایسے دست آتے ہیں، لیکن یہ چنگے؟'' خان سوچ میں پڑ گیا۔

Akram Allahabadi

''...کے مریض تو لاغر ہوتے ہیں۔'' بالے بھی بول پڑا۔

''وہ اکیلے باہر سے آئے یا کسی کے ساتھ تھے۔'' خان نے اس آدمی سے پوچھا۔

''اکیلے ہی تھے۔''

''لاش کا پوسٹ مارٹم کرائے بغیر کوئی رائے نہیں قائم کرسکتا۔'' خان نے تبصرہ کرنے والے انداز میں کہا۔

''مجھے تو یہ پولیس کیس نہیں معلوم ہوتا۔'' ڈیسوزا نے بھی اپنی رائے پیش کی۔

''لیکن کل ہی اس نے ٹریبل پول میں ایک لاکھ ۳۵ ہزار روپے جیتے تھے۔'' بالے نے اشارتاً کہا۔

''مجھے معلوم ہے۔'' خان بولا۔ ''لیکن اس کی موت سے بلاوجہ اس کی جیت کو وابستہ نہیں کیا جاسکتا۔'' وہ بڑبڑایا۔

''یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ اتنی بڑی رقم کی لالچ میں کسی نے اسے کوئی زہر دے دیا ہو۔'' بالے نے آہستہ سے کہا۔ وہ اتنے آہستہ لہجے میں گفتگو کررہے تھے کہ پیچھے کھڑے ہوئے مقتول رتن چند کے رشتے دار بھی اسے سن سکیں۔ خان کچھ سوچ کر پھر ان کی طرف پلٹا۔

''وہ ایک لاکھ ۳۵ ہزار کہاں ہیں؟'' اس نے رتن چند کے بھتیجے سے سوال کیا۔

''ایک لاکھ ۳۵ ہزار کیا؟'' اس نے حیرت سے سوالیہ انداز میں دہرایا۔

''روپے، وہ گول مول چاندی کے۔'' بالے نے مطلب واضح کیا۔

''روپے؟ اتنے؟ کہاں؟'' رتن چند کے سالے نے بیک وقت تین سوال کرڈالے۔

''ابھی آپ کہیں گے... میلے نات نان تو الے دیا۔'' بالے عجیب سا منہ بنا کر توتلی آواز میں کہا۔ ''بے چارے، کچھ جانتے ہی نہیں، کتنے معصوم ہیں۔''

''ہم سچ کہہ رہے ہیں کہ آپ کا مطلب نہیں سمجھے۔''

Akram Allahabadi

''آج ریس کورس سے ٹریبل پول میں ایک لاکھ ۳۵ ہزار روپے جو رتن چند نے جیتے تھے، وہ کہاں ہیں؟''

''ایک لاکھ ۳۵ ہزار روپے، باپ رے، اور ہم لوگوں کو بتایا تک نہیں۔'' رتن چند کے بھتیجے نے حیرت زدہ انداز میں یہ کہہ کر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔

''تین چند گھر سے کب گئے تھے اور کب واپس لوٹے؟'' خان نے ان میں سے ایک سے پوچھا۔

''وہ یہاں سے صبح ۹ بجے ہی چلے گئے تھے اور پھر چار بجے آئے، اور اس کے ایک گھنٹے بعد، صرف یہ کہہ کر گئے تھے کہ وہ بلیر ڈہاؤس تک جا رہے ہیں، جلد ہی لوٹ آئیں گے۔''

''وہ خالی ہاتھ تھے یا کچھ سامان یا کوئی چیز؟''

''پہلی بار آنے پر انھوں نے لباس تبدیل کیا۔ ان کے ہاتھ میں ایک پیکٹ سا تھا، جی ہاں۔'' نوکر نے کہا۔

''جو کپڑے اتارے تھے وہ کہاں ہیں؟''

''اتارے ہوئے کپڑوں کے شیلف میں۔'' وہی نوکر بولا۔

''میں دیکھنا چاہتا ہوں۔''

خان کے یہ کہنے پر نوکر اس کی رہنمائی کرنے لگا۔ وہ ایک دوسرے کمرے میں داخل ہو گئے۔ رتن چند کا اتارا ہوا سوٹ الماری میں موجود تھا۔ خان نے اپنے ہاتھ سے اس کی جیبیں تلاش کیں، لیکن ان میں کچھ بھی نہ تھا۔ البتہ اوپری اندرونی جیب سے صرف ایک کارڈ ملا جس پر صرف ۵۵۵ کے ہندسے تھے۔

''شاید سٹے کا نمبر ہے۔'' بالے بولے بغیر نہ رہ سکا۔

''تم اس کے جسم پر موجود کپڑوں کی تلاشی لو۔''

''مجھے مردوں سے ڈر لگتا ہے۔''

''مان جاؤ۔''خان کا لہجہ تحکمانہ تھا۔

''کہاں؟''بالے نے معصومیت سے پوچھا۔

''جہنم میں۔''خان جھنجلا گیا۔''تم بڑے نامعقول ہوتے جا رہے ہو۔''

''پولیس میں معقول تنخواہ ملتی ہے۔''

لیکن اس سے پہلے کہ خان کا موڈ اور بگڑے وہ ایک ٹھنڈی سانس کھینچ کر رتن چند کی لاش کی طرف چل دیا۔خان دوبارہ اس کارڈ کو دیکھنے لگا،لیکن صرف ۵۵۵ کے ہندسے حالات پر کوئی روشنی نہ ڈال سکتے تھے۔اگر کوئی بات اس کارڈ کو اہمیت بخشتی تھی تو محض یہ نمبر۔ایک کارڈ جس پر نہ کسی کا نام و پتا،بس کہ صرف نمبر۔

اس نے اسے اپنی جیب میں ڈال لیا اور چاروں طرف ایک طائرانہ نظر ڈالتا ہوا واپس لوٹ آیا۔کچھ دیر بعد وہ اپنی سبز کار میں واپس لوٹ رہے تھے۔ڈیسوزا رتن چند کی لاش کو پوسٹ مارٹم کے لیے بھیجنے کے انتظام کی خاطر وہیں رہ گیا تھا۔کار میں اس وقت صرف خان اور بالے تھے۔

''سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کے ایک لاکھ ۳۵ ہزار روپے کہاں گئے؟''خان بڑبڑایا۔

''اس نے اپنے گھر والوں سے اس کا تذکرہ بھی نہیں کیا۔''

''بینک میں جمع کرا دیے ہوں گے۔''بالے نے رائے دی۔

''اگر ایسا ہوتا تو وہ کیش کی رقم چیک کی صورت میں لے لیتا،دوسرے شام یا رات کے وقت بینک بند رہتے ہیں۔''

''تو کسی یتیم خانے کو چندے میں دے دیے ہوں گے۔''

''صرف کام کی باتیں۔''

''تو کسی دوست کے پاس۔''

''اسی امکان کا تو جائزہ لینا ہے۔''

Akram Allahabadi

[" آپ اسے... سمجھ رہے ہیں؟"

"پوسٹ مارٹم سے پہلے کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ ہو سکتا ہے کوئی اتفاقیہ مہلک بیماری ہو۔" خان بولا۔

" آپ اسے... سمجھ رہے ہیں؟"

"پوسٹ مارٹم رپورٹ سے پہلے کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ ہو سکتا ہے کوئی اتفاقیہ مہلک بیماری ہو۔" خان بولا۔

" آج کل بیماریاں بھی کثرت سے اولاد پیدا کر رہی ہیں، روز روز نئی..."

" بکومت۔"

" ہمیں بلیرڈ ہاؤس چلنا چاہیے۔"

" وہیں چل رہے ہیں۔"

" اب میں کوئی تجویز نہیں پیش کروں گا۔"

" کیوں؟"

" آپ پہلے سے سوچ لیا کرتے ہیں۔"

" یہ تو ایک عام آدمی بھی سوچ سکتا ہے۔"

" آدمی بھلے سوچ لے، آم کیسے سوچ سکتا ہے؟"

" پھر بکواس۔"

" میں گزشتہ تین گھنٹوں سے بور ہو رہا ہوں، آپ پر سنجیدگی کا دورہ پڑا ہے اور میرا لٹکے لٹکے چہرے دیکھ کر دم گھٹنے لگتا ہے۔"

خان نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ وہ کچھ اور سوچ رہا تھا۔

" آپ نے اس لڑکی پر کسی قسم کے شبے کا اظہار کیا تھا؟" بالے نے پوچھا۔

" میں دور سے اس کی حرکات کا جائزہ لے چکا تھا۔ وہ تم سے گفتگو کرتے وقت زتن

چند کی طرف متوجہ تھی۔"

"اس سے کیا ہوتا ہے۔ یہ خبر تو خود رتن چند کو بھی نہ ہوگی کہ ٹریبل پول جیتنے والا ہے۔" بالے نے کہا۔

"اسے خبر ہو نہ ہو، لیکن جس اعتماد کے ساتھ اس نے ان گھوڑوں پر داؤ لگائے تھے، اس سے مجھے اسی وقت کچھ شک ہو گیا تھا۔"

"اور آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ وہ ان ہی گھوڑوں پر داؤ لگا رہا ہے؟"

"میں اس آدمی کے پیچھے تھا، جو اسے اشارے کر رہا تھا۔"

"اپنی سمجھ میں تو خاک نہیں آیا۔"

"صرف کلب کے مقرر کردہ ڈاکٹروں میں ہز ہائی نس رتن پور کا بھی ایک ڈاکٹر شامل ہے۔ کیوں کہ ہر سیزن کے اس کے کم از کم ۲۵ گھوڑے ریس میں دوڑتے ہیں، ٹرف کلب نے اس ڈاکٹر کو ہز ہائی نس رتن پور کی طرف سے اپنے اسٹاف میں شامل کر لیا ہے۔"

"اب شاید آپ لکی اسٹار والے معاملے کو اس معاملے سے متعلق کر دیں گے؟"

"شاید۔" خان مسکرایا۔

"اور پھر یہ پیشین گوئی بھی کریں گے کہ اس ڈاکٹر کو تیسری، چھٹی اور نویں ریس میں اول آنے والے گھوڑوں کا قبل از وقت علم ہو گیا تھا؟"

"لکی اسٹار کی تحقیق کے سلسلے میں ہی مجھے اس پر شک ہو چکا ہے، لیکن مصلحتاً میں نے اس شبے کا اظہار نہیں کیا اور تب سے میں اس کے کیرکٹر کو اسٹڈی کر رہا ہوں۔"

"امتحان کب دیں گے؟"

"شٹ اپ۔"

"تو پھر اسٹڈی؟"

"آج وہ چھٹی ریس کے وقت فیلڈ کی طرف دوڑنے والے گھوڑوں کا معائنہ کے

لیے جا رہا تھا۔اس نے تین انگلیوں سے سگریٹ پیتے ہوئے رتن چند کو اشارہ کیا تھا۔ مجھے شک اس وجہ سے ہوا کہ سگریٹ صرف دو انگلیوں میں دبائی جاتی ہے اور جس وقت ریس کا تیسرا گھوڑا، اسٹیل پرنس، اول آیا تو میرا شبہ یقین میں بدل گیا۔"

"تو آپ نے ڈاکٹر کو گرفتار کر لیا ہوتا؟"

"تین انگلیوں سے سگریٹ پینا کوئی ثبوت نہیں، اس کے علاوہ اس بات سے مکر بھی سکتا ہے۔"

"لیکن آپ نے یہ بھی تو کہا تھا کہ چند گھنٹے کے بعد کسی کی لاش مل سکتی ہے اس کی وجہ سے؟"

"میں سمجھا تھا کہ تم اپنے اردگرد کڑی نظر رکھو گے، لیکن تمہاری حماقت نے مجھے ڈاکٹر کی طرف سے اپنی توجہ وقتی طور پر ہٹانے کے لیے مجبور کر دیا۔تم نے یہ نہ دیکھا ہو گا کہ تین آدمیوں کی نگاہیں رتن چند کو بری طرح گھور رہی تھیں اور ان تینوں میں ایک لڑکی تھی۔"

"اگر یہ صحیح بھی ہو تو اس کا مطلب اس کا قتل تو نہیں ہو سکتا۔"

"یہ وجہ ابھی تمہاری سمجھ میں نہ آ سکے گی، لیکن ٹھہرو میں تمہیں بتاتا ہوں۔" یہ کہہ کر خان نے ڈیش بورڈ میں لگے ہوئے وائرلیس کمیونیکیٹر کو آن کر دیا۔

"پولیس ہیڈ کوارٹرز، سپرنٹنڈنٹ خان کالنگ۔پولیس، پانچ کیو۔"

"پولیس ہیڈ کوارٹرز اٹنڈنگ کم ان سر، اوور۔" ڈیش بورڈ سے آواز سنائی دی۔

"انکوائری اسپیشل، کنیکٹ انسپکٹر شاہ پلیز، اوور۔"

"او کے سر، اوور۔"

پھر ایک منٹ کے بعد ہی سیٹ سے انسپکٹر شاہ کی آواز سنائی دی۔

"انسپکٹر شاہ اسپیکنگ، سر۔اسپیشل ڈیوٹی، اوور۔"

"وہ آدمی گرفتار ہوا؟ اوور۔" خان نے پوچھا۔

Akram Allahabadi

''یس، سر۔ رؤف اور ابراہیم اسے کچھ دیر پہلے لے کر آئے ہیں، اوور۔''

''اسے خاص نگرانی میں رکھیے، معاملات کچھ زیادہ خطرناک ہیں۔ اوور۔''

''بہتر ہے۔'' ادھر سے جواب ملا۔ پھر خان کی طرف سے سلسلۂ کلام قطع کر دیا گیا۔

''بھلا یہ کیا بات ہوئی؟'' بالے نے پوچھا۔

''''غداری کی سزا جانتے ہو؟' یہ الفاظ اس آدمی نے ایک بس ٹکٹ کی پشت پر لکھ کر اس کی پڑیا بنا کر رتن چند کی طرف پھینکی تھی اور رتن چند نے اسے پڑھ کر ایک طرف پھینک گیا تھا۔'' خان نے بتایا۔

''تب تو معاملہ کچھ ثقیل نظر آتا ہے۔''

''میں خود رتن چند کے تعاقب میں گیا تھا اور اس نے اس آدمی کو رتن چند کا پیچھا کرتے دیکھا تھا۔ پھر وہ ٹیکسی روک کر ایک جگہ اتر گیا اور اس نے ایک پبلک کال آفس سے نہ جانے کسے فون کیا۔ میرا خیال ہے وہ کسی سے کچھ ہدایات لے رہا تھا، کیوں کہ اس کی اس وقت کی حرکات میں فرماں بردارانہ تاثرات کی جھلک تھی۔ ٹیلی فون بوتھ سے نکل کر وہ پھر اسی ٹیکسی میں بلیئرڈ کلب گیا، لیکن بہت جلد ہی وہ باہر نکل آیا اور ایک دوسری ٹیکسی کے ذریعے بیرن لین تک جاتے میں نے اسے دیکھا۔ اس وقت مجھے اچانک یاد آ گیا کہ اب سے ڈیڑھ ماہ پیشتر یہ آدمی ایک ڈکیتی کیس میں میرے سامنے پیش کیا جا چکا تھا۔ میں نے وہیں وائرلیس کال سے رؤف اور ابراہیم کو بلا کر اس کے پیچھے لگا دیا۔ اور خود بلیئرڈ کلب واپس چلا گیا۔ سو فی صد نہیں، بہر حال اندازے کے مطابق رتن چند مجھے بلیئرڈ کلب میں دکھائی دیا اور وہ لڑکی بھی۔''

''یعنی وہ مس نیشا؟''

''ہاں۔ وہ اور رتن چند کسی مسئلے پر یا تو بحث کر رہے تھے یا لڑ رہے تھے، لیکن خدا جانے اس لڑکی نے کون سا جملہ ایسا کہا، جس پر رتن چند کا منہ اتر گیا۔ میں نے اس کے بعد اس لڑکی کو ٹیلی فون بوتھ کی طرف جاتے دیکھا۔ اس وقت میں تمہیں فون کر کے بلانا چاہتا تھا۔ میں

بوتھ کے دروازے سے کان لگا کر کھڑا ہو گیا۔ وہ کہہ رہی تھی، 'اس کی نیت میں فتور آ گیا ہے۔ وہ آپ کی امانت ساتھ نہیں لایا'۔"

"میں نیت کے فتور کو کچھ اور سمجھا تھا۔" بالے نے کہا۔

"آپ اپنی سمجھ کر سر دست بالائے طاق ہی رکھیے۔"

"طاق! یہاں کہاں؟ ڈیش بورڈ میں رکھ دوں؟"

"وہ فون کر کے جب واپس لوٹی۔" خان اس کی ان سنی کر کے کہتا گیا۔ "تو اس کا موڈ بدل چکا تھا۔"

"یہ عورتوں کا موڈ ہوتا ہی ہے ایسا کچھ..."

"پھر بک چلے۔" خان نے اسے گھورا۔

"میں چپ ہوں۔"

"خدا جانے کیا کہا اس نے رتن چند سے آ کر کہ وہ خوش ہو گیا اور پھر دونوں نے اسی میز پر بیٹھ کر کافی دیر تک شراب پی۔"

"شراب؟ اور بلیئرڈ کلب میں؟" بالے نے پوچھا۔

"وہاں ممبروں کے لیے سب کچھ فراہم کیا جاتا ہے، یہ کوئی بات نہ تھی۔"

"اور آپ نے اسے اسی طرح چلے جانے دیا؟"

"مجھے اب تم سے سبق نہیں سیکھنا ہے۔ اس کے پیچھے جانے کی وجہ سے تو میں رتن چند کو نہ دیکھ سکا۔ وہ اس کے جانے کے بعد ہی چلا آیا تھا۔"

"لیکن آپ کو توقع تھی کہ آپ کسی کی لاش دیکھنے والے ہیں؟"

"یہ امید نہ تھی کہ سب کچھ اسی طرح اور اتنی جلدی ہو جائے گا۔"

"تو پھر آپ اس لڑکی اور ڈاکٹر کو کیوں ڈھیل دیے ہوئے ہیں؟"

"محض اس لیے کہ قانون کے پاس اب بھی ایسے ثبوت نہیں جو ان پر ہاتھ ڈال

Akram Allahabadi

سکے۔'' خان نے کہا۔

''ڈاکٹر سرے سے کسی کو انگلی کا اشارہ کرنے کی حرکت سے انکار کر سکتا ہے، بل کہ الٹا ہتک عزت کا دعوا کر سکتا ہے۔ اور وہ لڑکی کہہ سکتی ہے کہ میں رتن چند کو جانتی تھی اور کسی کو جاننا کوئی جرم نہیں ہے۔''

''تو یعنی کہ نائیں نائیں فش؟''

''یوں ہی سمجھ لو۔''

''سمجھ لیا۔''

''کیا؟''

''یہ ہی کہ نائیں نائیں فش۔''

''اب تمہیں اس لڑکی کے پیچھے لگنا پڑے گا۔''

''وہ مجھے ریس کورس میں دیکھ چکی ہے۔''

''لیکن تمہاری شخصیت سے تو واقف نہیں؟''

''کیا ایک چالاک عورت کے لیے یہ جاننا مشکل ہے؟''

''نہیں، بل کہ طریقہ اور بہتر رہے گا۔ وہ تمہیں بے وقوف بنانے کی کوشش کرے گی اور تم بنتے رہنا۔''

''اور اگر مجھے اس سے سچ مچ کا عشق ہو گیا تو؟''

''تو تمہاری قبر تیار رہے گی۔''

''اب یہ بھی ہونے لگا۔ خیر، اللہ توفیق دے۔''

''چلو، اترو گاڑی سے۔'' خان نے کار بلیئرڈ کلب کے سامنے روک دی، لیکن بالے گاڑی سے نہیں اترا۔ خان پر جھنجلاہٹ سوار ہو گئی۔

''کیا کہا ہے میں نے؟'' خان نے موڈ بگاڑ کر پوچھا۔

Akram Allahabadi

''آپ نے کہا ہے چلو، اترو۔ بھلا دونوں باتیں بیک وقت کیسے ہو سکتی ہیں؟''

''ایسے ہو سکتی ہیں۔'' خان نے اس کی گردن تھام کر اسے زبردستی نیچا تا ردیا۔

''کل تک مجھے اس لڑکی کے بارے میں پوری کنفلکٹ رپورٹ چاہیے۔'' یہ کہتے ہوئے خان نے کار آگے بڑھا دی۔

''ہونہہ، اٹھائی زبان تالو سے لگا دی۔'' بالے بڑبڑاتا رہ گیا۔ پھر اس نے راستے سے گزرتی ہوئی ایک ٹیکسی روک لی اور اس میں بیٹھ گیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

شوکت اور لڑکی

بلیئرڈ کلب کسی زمانے میں شہر کے من چلے رئیسوں نے شریفوں کے مرغوب کھیل بلیئرڈ کے لیے قائم کیا تھا، لیکن دھیرے دھیرے اس کے ممبروں میں زندہ دل اور تعیش پسند ممبروں کے اضافے کے ساتھ ساتھ اس کے لوازمات بھی بڑھتے گئے اور اب تو بلیئرڈ کا کھیل کلب کے صرف ایک کمرے تک محدود رہ گیا تھا، مگر کلب کا حلقہ بڑھ کر پوری عمارت کو اپنے مصرف میں لے چکا تھا۔ اس میں مغربی رقص و موسیقی کے علاوہ روزمرہ پروگراموں کے علاوہ پینے اور کھانے کی تفریحات کا سلسلہ بھی قائم ہو چکا تھا۔ اور رات کے اوقات میں جہاں پہلے صرف چند شرفا ہی جمع ہو کر وقت گزاری کرتے تھے، وہاں اب موسم بہار کی حسین تتلیاں بھی رقص کرتی نظر آنے لگی تھیں۔ شادی شدہ اور غیر شادی شدہ جوڑے، آزاد خیال سوسائٹی گرلز، رنگیں راتوں کے حسین کنوارے اور صاحب اولاد کنوارے بھی کلب کے شریک ہو چکے تھے اور جب وہ سب مل بیٹھتے تو کلب کے ماحول میں ایک نئی زندگی پیدا ہو جاتی، قہقہوں کی زندگی، وہی قہقہے جو آپ اپنی حالت پر لگاتے جاتے، مگر وقتی مسرتوں سے بھرپور۔

بالے نے کلب کے دروازے سے کچھ دور ہی ٹیکسی روک دی اور اس کا بل چکانے کے بعد خود اندر داخل ہو گیا۔ دربان کو شاید آنے جانے والوں سے سروکار نہیں معلوم ہوتا تھا، کیوں کہ اس نے اس کی طرف نظر بھر کر دیکھا بھی نہیں۔

پہلا داخلی ہال لائٹ ریفریشمنٹ کا تھا، جس کے بعد ایک لمبے کاریڈور کے دونوں طرف چار ہال تھے۔ جن میں سے ایک ٹیبل گیمز کا، دوسرا نارگٹ گیمز کا، تیسرا نشستی ہال جس میں شرفا رات کے فرصتی لمحات شراب و کباب کے ذریعے خوش گوار بناتے، چوتھے ہال میں وہ مخصوص نشستیں تھیں جو کلب کے مستقل ممبروں کی تھیں۔ یہاں من مانے کھیل ہوا کرتے تھے۔

Akram Allahabadi

ان ہالوں کے بعد سکریٹری اور منیجر وغیرہ کے دفاتر تھے اور ان کے پیچھے وہ نیم تاریک برآمدہ جہاں رومانی جوڑے علاحدہ علاحدہ نشستوں پر صدیو پرانے رٹے رٹائے جملے دہرایا کرتے تھے۔

نیٹا بالے کو تیسرے ہال میں ہی نظر آ گئی، جب وہ کاریڈور سے گزر رہا تھا۔ کلب والوں میں سے تو نہ کسی نے اس کی طرف توجہ دی نہ خود اس نے اپنے آپ کو اندر سے اجنبی ظاہر کیا۔ شاید یہاں ہر ایک اپنی دھن میں مست تھا۔ وہ دوسرے ہال میں داخل ہو گیا۔ یہ نارگٹ گیمز کے لیے مخصوص تھا۔ پینے والے یہاں بھی پیگ ہاتھوں میں لیے نشے باز وں کا تماشا دیکھ رہتے تھے۔ بالے بھی ان میں جا کر کھڑا ہو گیا۔ اسے اندر آتے جس ویٹر نے دیکھا، وہ بڑھ کر قریب آ گیا۔

''صاحب، کچھ چاہیے؟''

''تمہارا سر۔'' بالے نے منہ بنا کر جواب دیا۔ وہ اس جواب پر سٹپٹا گیا اور ایسی نظروں سے اس کی شکل دیکھنے لگا جیسے یہ سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو کہ کہیں وہ نشے میں تو نہیں ہے۔

''صاحب، میں ویٹر ہوں۔'' اس نے ادب سے دوبارہ کہا۔

''تو ویٹ کرو، میرا دماغ کیوں چاٹ رہے ہو؟'' بلے نے اور زیادہ جھنجلا کر کہا۔ جس پر وہ لاجواب سا ہو کر واپس چلا گیا۔ نارگٹ شوٹنگ دیکھنے والے آدمیوں نے پلٹ کر اسے دیکھا، لیکن ان میں سے شاید کوئی بھی اسے نہ پہچانتا تھا، کیوں کہ کوئی اس کی طرف مخاطب نہیں ہوا۔

اس وقت چھوٹی ایرگنوں سے رنگ نارگٹ پر چاند ماری ہو رہی تھی۔ سترہ پوائنٹ پر ۲۱ آدمیوں نے دس دس روپے لگائے تھے۔ بورڈ پر شوٹنگ نمبر ۱۳ کا بھاؤ ۲۱ روپے لگا ہوا تھا۔

''میں بھی کھیلوں گا۔'' بالے تماشائیوں کی بھیڑ سے نکل کر کنڈیکٹر کے پاس پہنچ کر بولا۔

''تو نکالیے دس روپے۔'' اس نے ۲۲ نمبر کا سلولائیڈ ٹوکن اس کی طرف بڑھاتے

ہوئے کہا۔

''ارے، بس دس روپے۔'' بالے نے جلدی سے دس کا ایک نوٹ اس کی طرف بڑھا دیا۔

نشانہ بازی شروع ہو گئی ۲۱ میں سے ۱۹ نشانہ باز ناکام رہے۔ ۲۰ اور ۲۱ نمبر والے کے نشانے رنگ کے بھی باہر پڑے۔ ان میں کوئی بھی اچھا نشانہ باز نہ تھا۔ اب بالے کا نمبر تھا۔ اس نے گن ہاتھ میں لی اور نشانہ باندھنے لگا۔

''لو، اب یہ چلے تیں مار خان۔'' مجمع میں سے کسی نے کہا۔

''آں، کیا فرمایا؟'' بالے یہ کہتے ہوئے کچھ اس انداز سے پلٹا کہ گن سے نشانہ بھی چھوٹ گیا اور چھرہ ٹارگٹ رنگ کی بجائے ہال کی ایک لائٹ پر پڑا جو چور چور ہو گئی۔ تماشا دیکھنے والوں کے قہقہے چھوٹ گئے اور کنڈیکٹر کا منہ بن گیا۔

''آپ نے بیس روپے کی لائٹ کا نقصان کر دیا۔'' وہ بڑبڑایا۔

''ارے تو کون میں نے بان بوجھ، لاحول ولاقوۃ، جان بوجھ کر کیا ہے۔'' بالے نے صفائی پیش کی۔

بات آئی گئی ہو گئی اور دوسرا راؤنڈ شروع ہوا جس کا نمبر ۱۴ تھا۔ بالے نے اس بار بھی ضد میں دس روپے لگا دیے۔

''حرام کی کمائی معلوم ہوتی ہے۔'' مجمع سے کسی کی سرگوشی کرتی ہوئی آواز اسے سنائی دی۔ وہ چونک کر پلٹا ہی تھا کہ مجمع کے درمیان اسے شوکت نظر آیا۔ وہ اپنے دانتوں میں دبے ہوئے سگار کے سرے کو اس طرح چبا رہا تھا جیسے گاجر کھا رہا ہو۔ بالے نے اسے کچھ اس طرح آنکھ ماری کہ اس کی تیوری پر بل پڑ گئے، لیکن فوراً ہی بالے نے گن سنبھال لی۔ لوگ اب بھی اسے کوئی تفریح پسند احمق سمجھ رہے تھے، لیکن جس وقت اس کا نشانہ ٹھیک سینٹر پوائنٹ پر پڑا تو بعض تالیاں بجانے لگے اور بعض جل کر خاموش ہو رہے۔

Akram Allahabadi

''اس راؤنڈ کا بھاؤ ۲۰۰ تھا، بالے نے اس میں سے بیس روپے کنڈیکٹر کو دے دیے۔

''یہ رہا آپ کا لائٹ کا نقصان۔'' وہ بولا۔''اور یہ میرا نقصان۔'' بیس اور اس نے جیب میں ڈال لیے اور باقی روپے اس نے کنڈیکٹر کے حوالے کرتے ہوئے ہدایت کی کہ یہ روپے کسی ایسے یتیم خانے میں دے دیجیے جس میں ۳۲ سال سے اوپر کے موٹے موٹے بچے ہوں۔''لوگ اس جملے کا مطلب سمجھے بغیر ہنس پڑے۔لیکن شوکت نے کسی روٹھے ہوئے بچے کی طرح منہ پھلا لیا۔

''تھری چیرز فار مسٹر چٹنی والا۔''

تالی بجنے کے ساتھ کسی کی نرم و نازک آواز نے لوگوں کو پھر چونکا دیا۔بالے نے بھی پلٹ کر دیکھا۔وہ نیشا تھی۔

''مسٹر چٹنی والا۔'' کئی لوگوں کے منہ سے نکلا۔

''ارے سالا چٹنی کا بیوپار کرتا ہوگا۔'' دور ایک کونے سے کسی شرابی کی لڑکھڑاتی ہوئی آواز سنائی دی۔

''ٹھیک فرمایا آپ نے۔میں چٹنی بنایا کرتا ہوں۔'' بالے نے گھوم کر جواب دیا۔ پھر وہ نیشا کی طرف بڑھ گیا۔

''ہیلو۔'' نیشا نے اپنا ہاتھ مصافحے کے لیے بڑھا دیا، مگر بالے کی بجائے اس کی قاتل مسکراہٹ شوکت کر ذبح کرنے لگی۔اسے اور جلانے کے لیے بالے نے بے تکلفی سے نیشا کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ایک علاحدہ پڑی ہوئی میز پر جا بیٹھا۔

''آپ تو اس دن سے ایسے غائب ہوئے کہ جیسے...''

''ایک گدھے کے سر سے سینگ۔'' بالے نے یہ کہتے ہوئے شوکت کی طرف دیکھا اور اس بار شوکت کی کھوپڑی غصے سے چٹک پڑی۔

''بیرا۔''شوکت نے حلق پھاڑ کر بیرے کو آواز دی۔

''فرمایئے، حضور؟''پاس کھڑا ہوا ایک بیرا آگے بڑھ آیا۔

''فرمایئے کی اولاد، دو اسکاچ ودکی لاؤ۔ارے نہیں، وہ چمپئن۔''غصے سے بالے کو گھور کر اس سے بولا۔

''حضور، بوتل یا پیگ؟''

''ارے جاؤ، سالے، کچھ بھی لاؤ۔''شوکت جھنجلا گیا۔اور بیرا اسے عجیب سی نظروں سے دیکھتا ہوا چلا گیا۔نیشا بھی شوکت کی طرف دیکھ کر مسکرا دی۔شوکت کا دماغ خراب ہو گیا۔

نیشا جیسے ہی بالے کی طرف پلٹی، شوکت بالے کو گھونسا دکھانے لگا۔

''سالے، اب لینا میری موٹر۔''وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑا رہا تھا۔

''مدھو پال آپ کو ڈھونڈتا پھر رہا ہے۔''نیشا بالے سے کہہ رہی تھی۔

''مدھو پال؟ ارے، وہ بھائی ایکٹر، کیوں؟''

''اگلی ریس کا وِنر گھوڑا معلوم کرنا چاہتا ہے۔''نیشا ہنس پڑی۔

''یہ بھی ایک رہی، میں کیا جانوں؟''

''مانتی تو میں بھی نہیں کہ آپ جیسے ماڈرن لوگ کوئی مجذوب یا روشن ضمیر ہوں گے۔''نیشا نے اسے چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر کہا۔

''میں نے اپنے ضمیر میں ٹیوب لائٹ لگوالی ہے، میں اسے گھوڑا تو کیا گدھے کا نمبر بھی نہیں بتاؤں گا۔''

''تو کیا واقعی آپ جانتے ہیں؟''

''کہیے تو یہ بھی بتا دوں کہ وہ اس ٹیبل پر بیٹھا ہوا موٹا مرغا آپ پر عاشق ہوا جا رہا ہے۔''بالے کا اشارہ شوکت کی طرف تھا۔

''کون، وہ؟ آپ جانتے ہیں اسے؟''

Akram Allahabadi

''اسے کون نہیں جانتا۔ بہت موٹی اسامی ہے۔ سرکاری ٹھیکے دار ہے۔''

''اور آپ کیا کرتے ہیں؟'' وہ بالے سے پوچھ بیٹھی۔

''چٹنی کا بیوپار۔''

''میں نہیں مانتی۔'' وہ مسکرائی۔ ''مجھے تو آپ کی شخصیت پراسرار معلوم ہوتی ہے۔''

''آپ کافی سمجھدار ہیں۔''

''تو پھر بتایئے آپ کون ہیں؟'' وہ بڑے رومانی انداز میں یہ کہتی ہوئی آگے کی طرف جھک گئی۔

شوکت کا جی چاہا کہ اس وقت بالے کو اس کی کرسی سے اٹھا کر ہوٹل کے باہر پھینک دے اور خود اس کی جگہ بیٹھ جائے، لیکن اس بدقسمتی کو کیا کہا جائے کہ وہ اس کی طرف پلٹ کر دیکھ بھی نہیں رہی تھی۔

''بتادوں؟'' بالے نے چاروں طرف ایک طائرانہ نظر ڈال کر کہا۔

''ہُم۔'' نیشا نے ادائے محبوبانہ سے پلکیں جھپکائیں۔ اتنے قریب سے وہ اور زیادہ پرکشش لگ رہی تھی کہ جذبات خیز معلوم ہو رہی تھی۔ گورے چہرے پر لہرا جانے والی زلفوں کی لٹ کو اس نے اپنی مخروطی انگلیوں سے ایک طرف جھٹکا اور بالے کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔ ان آنکھوں کا نشہ اس وقت شمپئن کی ایک بوتل سے کم نہ ہوتا، لیکن بالے کے تصور میں اس وقت بھی رتن چند کی سرخ چتکوں والی لاش ناچ رہی تھی۔ اسے جھرجھری سی آگئی۔ اس نے پھر بھی رومانیت کا بلند ترین ٹمپریچر اپنی آنکھوں میں انڈیلتے ہوئے بڑی کامیاب اداکاری کا مظاہرہ کیا اور واقعی اس وقت وہ کسی ہندوستانی فلم کا دلیپ کمار نظر آنے لگا۔

دلیپ کمار، جو ہر فلم میں اپنی محبوبہ کو شدید محبت زدہ نظروں سے قریب سے دیکھتا ہے اور پھر دیوداس کی اذیت پسند روح کی طرح انجام میں ڈھاک کے تین پات لیے نظر آتا ہے۔

نیشا کے لبوں پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔ ایک ایسی مسکراہٹ جو پورس کو

شکست دیتے وقت شاید سکندر کے ہونٹوں پر پیدا ہوئی ہوگی۔

''میں دراصل پولیس سارجنٹ ہوں۔'' بالے ادھر ادھر دیکھ کر اس سے رازدارانہ لہجے میں بولا۔

''تو آپ کا نام سارجنٹ بالے ہوگا؟'' وہ سرگوشی کے لہجے میں مسکراتے ہوئے بولی۔

''ارے واہ۔ آپ کو کیسے معلوم؟'' بالے نے مصنوعی حیرت کا اظہار کیا۔

''وہی ایک ذات پولیس کے محکمے میں دل پھینک مشہور ہے۔''

''ہونہہ، بکواس ہے۔ بھلا میں دل کیسے پھینک سکتا ہوں؟ آپ سے کسی نے جھوٹ کہا ہے۔''

''آپ، آپ مجھے بنانے لگے ہیں۔'' اس نے پھر سحر کار نظروں سے بالے کو گھورا۔

''ارے، آپ کو تو قدرت نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہوگا۔'' بالے نے کسی جذباتی مریض جیسی لمبی ٹھنڈی سانس بھری۔ ''میں آپ جیسی ایک لڑکی بنا سکتا تو ایسے ایسے کلبوں کی زینت بنانے کی بجائے کہیں اور رکھتا۔'' بالے کا لہجہ سنجیدہ اور غمناک ہوگیا۔

''کہاں رکھتے آپ؟'' نیشا نے مسکراتی نظروں سے پھر دو چار تیر پھینکے۔

''دل کے سیف ڈپازٹ میں۔''

''خوب۔'' وہ ہنس پڑی۔

''آپ ہنس رہی ہیں؟'' بالے نے کسی یتیم عاشق کی طرح مسکین شکل بنا کر احتجاج کیا۔

''آپ بہت دلچسپ آدمی ہیں۔''

''بات تری کی۔ سب ہی یہی کہہ کر نکل جاتی ہیں۔'' بالے نے دونوں ہاتھ جھٹکے۔ ''میں بھی کتنا بدنصیب آدمی ہوں۔'' وہ کسی شہر بدر ہونے والے مجنوں کا انداز پیدا کرتے

Akram Allahabadi

ہوئے گلوگیر لہجے میں بولا۔

''کیوں؟''

''بس اب کچھ نہیں بتاؤں گا۔''

''نہیں، بتایئے نا۔''اس نے ناکو اس نخرے سے ادا کیا کہ دوسری میز پر کان کھڑے ہوئے ان کی گفتگو سننے کی کوشش کرنے والے شوکت کے دل پر چاند ماری سی ہونے لگی۔

''ٹھہرو بیٹے سارجنٹ۔''وہ وہسکی کا ایک پیگ حلق میں انڈیلتے ہوئے منمنایا۔

''جایئے، آپ کی دنیا تصنع کی دنیا ہے۔میں الو کا پٹھا ہوں جو جان بوجھ کر اپنا مذاق اڑوا رہا تھا۔''بالے کا لہجہ قطعی سنجیدہ تھا۔

''آپ برا مان گئے شاید؟''نیشا نے بھی سنجیدگی اختیار کر لی۔

''ہونہہ، وہ برا مانے گا بے غیرت، سو جوتے کھائے تب بھی عزت کو خطرہ نہیں۔''شوکت بالے کو تلملاتی ہوئی نظروں سے گھور کر بڑبڑایا۔

''مجھے بلایا آپ نے؟''گویا پاس سے گزرتا ہوا بیرا اس کی منمناہٹ سن کر قریب آ گیا۔

''ابے جاؤ نا فالتو فنڈ کے۔''شوکت کو غصہ آ گیا۔''یہاں اپنے غم میں پڑے ہیں اور سالے ہیں کہ خدمت گزاری پر ادھار کھائے ہوئے ہیں۔''

بیرے کے لیے یہ جملے غیر متوقع یا اجنبی نہ تھے۔یہاں پی کر آنے والے یا آ کر پینے والے روز ہی کلب کے بیروں کی اسی طرح عزت افزائی کیا کرتے تھے اور بیرے اس قسم کی باتوں کے عادی ہو چکے تھے۔وہ ہنس کر ٹال دیتے اور آگے بڑھ جاتے۔

''برا ماننے جیسی تو کوئی بات نہیں۔''بالے نے کہا۔''مجھے حق بھی کیا ہے کہ آپ کو پسند یا ناپسند کروں اور پھر ایک پولیس سارجنٹ، فرض ہر وقت جس کی دم میں بندھا رہتا ہے۔''بالے نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

Akram Allahabadi

''آخر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟''نیشا کا لہجہ ہمدردانہ تھا۔

''میں کیا کہوں گا پتھر۔یہ دل ہے کم بخت۔اس دن بھی آپ کو دیکھ کر مچل گیا تھا اور آج بھی اس نے وہی حرکت کی۔

''اوہ،تو یہ دل کا معاملہ ہے۔''وہ مسکرائی۔

''اور نہیں تو کیا میرا ہے۔''بالے نے احمقانہ صورت بنالی۔

''کیا پولیس والے رومانس کے معاملے میں ڈیوٹ ہوتے ہیں؟''

''کیا مطلب؟''بالے چڑھ گیا۔

''میں ایک عام بات کہہ رہی ہوں،آپ کو نہیں۔''وہ اسے چمکارنے والے انداز سے دیکھنے لگی۔

''ہوتے ہوں گے،اور کم از کم ایک آدمی کا تو مجھے تجربہ بھی ہے۔''

''کون؟''

''آپ کیا جانیں،وہ میرا فرضی چچا لگتا ہے۔''

''فرضی چچا؟''

''جی ہاں۔ڈیوٹی والا چچا۔ڈیوٹی،یعنی فرض۔''وہ تشریح کرنے لگا۔

''اوہ۔''وہ ہنس پڑی۔

''اتنا خرانٹ سپرنٹنڈنٹ ہے،مگر رومانس کے مقابلے میں قطعی پھوہڑ۔''

''آپ اپنے آفیسر کی غیبت کر رہے ہیں؟''نیشا نے چوٹ کی۔

''کہاں غیبت کر رہا ہوں،میں تو یوں ہی۔''

''میں نے غیبت کہا ہے۔''

''اوہ،نہیں تو،یہ تو سیدھی سچی بات ہے۔میں تو ان کے منہ پر کہہ سکتا ہوں۔اب آپ ہی دیکھیے نا،ایک دن بھائی تاج محل کے بال روم میں پھنس گئے،اچھے ڈیل ڈول کا

Akram Allahabadi

مہذب آدمی سمجھ کر دو تین غیر ملکی لڑکیوں نے رقص کے لیے ان کا ہاتھ تھاما تو فرماتے ہیں، تمھیں شرم نہیں آتی، میں غیر مرد ہوں۔"

"سچ؟" نینا کا قہقہہ چھوٹ پڑا اور شوکت دوسرا پیگ چڑھاتے چڑھاتے ہاتھ روک کر ان دونوں کو دیکھنے لگا۔ اتفاق سے اسی وقت ایک سرخ ساڑھی والی جوان لڑکی ادھر ادھر جگہ تلاش کرتی ہوئی شوکت کی میز پر آ بیٹھی۔

اسے دیکھتے ہی شوکت اترا گیا۔ اب جواب ملا تھا اس سارجنٹ کے بچے کا۔

"ہیلو۔" اس نے بے ڈھنگے پن سے اس لڑکی کو مخاطب کیا۔

"جی؟" لڑکی چونک کر اس کی شکل دیکھنے لگی۔

"میں کب سے آپ کا انتظار... اوہونہہ۔ سالی ایک پیک زبان... وہ کیا یعنی کہ..."

یہ کہتے کہتے اس کی نظر پھر بالے پر جا پڑی۔ بالے ترچھی نظروں سے اسی طرف دیکھ رہا تھا۔ اور یہ زبردستی کا ماقبل از تعارف کا بے تکلفانہ جملہ شوکت نے اسی کو سنانے کو بولا تھا۔ نظریں ٹکراتے ہی گویا شوکت کی طنز بھری نظروں نے اسے چیلنج کر دیا۔ "یہ دیکھ۔" جواب میں بالے کی ادھوری مسکراہٹ اسے زہر میں بجھی تو لگی، بالے نے نینا کی نظریں بچا کر اسے اشارہ کیا کہ میں آؤں تمھاری میز پر۔ شوکت سے اور کچھ نہ بن پڑا تو گھونسے کی جگہ وہ اسے شیشے کا پیمانہ ہی دکھا کر دھمکانے لگا۔ وہ لڑکی اس کی اس حرکت کو تعجب سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے جیسے ہی پلٹ کر بالے کی طرف دیکھنا چاہا، بالے نینا سے مخاطب ہو گیا اور شوکت جلدی سے پیمانے کو اس طرح انگلیوں میں نچانے لگا جیسے کسی ترقی پسند شاعر کی طرح جام بدست ہو کر کوئی شعر سوچ رہا ہو۔

"آپ مجھ سے کچھ فرما رہے تھے؟" اس لڑکی نے معصومیت سے شوکت سے پوچھا۔

"ارے نہیں، وہ سالا، اوہ معاف کیجیے گا، میں... میں ذرا نشے میں ہوں۔" شوکت نے جھینپے ہوئے انداز سے کہا۔

Akram Allahabadi

''وہ تو میں دیکھ رہی ہوں۔''لڑکی مسکرادی اور اب واقعی شوکت کو سنجیدگی سے یہ غور کرنا پڑا کہ وہ نقصان میں نہیں ہے۔اس کی مسکراہٹ بھی بالے کے ساتھ والی لڑکی سے کسی طرح کم قاتل نہیں تھی۔

''آپ سے مل کر...بھوت خوشی ہوئی...''شوکت نے اخلاق جتانا شروع کیا۔

''آپ مجھ سے ملے کہاں ہیں، میں تو اتفاق سے آ بیٹھی ہوں یہاں۔''لڑکی نے صاف گوئی سے کام لیا۔

شوگت اگر تھوڑا بہت نشے میں نہ ہوتا تو اس جملے پر کٹ گیا ہوتا۔مگر اس وقت اس نے بھی بے حیائی پر کمر باندھ لی تھی۔

''آپس کی بات ہے۔''وہ بولا۔''میں آپ کا نام پوچھ سکتا ہوں۔''

شمپئن اس پر سوار ہونے لگی تھی۔نشہ وہ بہت کم کرتا یا کسی دعوت میں کوئی زبردستی اسے پلا دے یا پھر کسی ضد یا بے وقوفی میں۔ویسے وہ شراب پینے والوں کی سوسائٹی سے دور رہتا تھا۔آج بھی وہ جھنجلاہٹ اور غصے سے بے قابو ہو کر یہ حرکت کر بیٹھا تھا۔یہ اس کی فطری کمزوری تھی کہ اتنا بھاری تن وتوش رکھتے ہوئے بھی وہ بہت امن پسند واقع ہوا تھا۔اسے غصہ عورت کے معاملے کے سوا اور کسی معاملے میں نہ آتا اور اس غصے کو اگر نقطۂ عروج پر پہنچا ہو تو دو چار پیگ وہ پی لیتا تھا۔

اگر اسے کسی سے جھگڑا کرنا ہوتا یا اپنے الفاظ میں کسی سے انتقام لینا ہوتا تو لڑپڑنے والی بہادری اس میں دو چار پیگ پی کر ہی آتی تھی۔ویسے ایسی نوبت بہت کم آتی تھی۔پی کر بھی وہ زیادہ تر گالیوں پر اکتفا کرتا تھا اور ان گالیوں میں زیادہ تر اس کے اپنے اوپر پڑتیں۔وہ غیر مہذب بھی نہ تھا کہ تہذیب سے گری ہوئی گالیاں بکے۔اس کی گالیاں جاگیردارانہ ہوتیں اور وہ انھیں قطعی تہذیب کے دائرے میں سمجھتا تھا۔اور اگر ان گالیوں کی کوئی ایک لغت مرتب کرتا تو ہر گالی کے معنوں میں اسے 'شوکت سے سمجھیے' لکھنا پڑتا۔بالے کو جب اس سے اس قسم کی

گالیاں سننے کا شوق ہوتا تو وہ کسی نہ کسی طرح اسے اتنا چڑھا دیا کرتا تھا کہ یا تو وہ غصہ دلانے کے لیے دو چار پیگ پی ڈالے یا خود کسی کی نیت سے خود کو کوسنے لگے۔

جواب دینے سے پہلے وہ لڑکی دو سیکنڈ اسے غور سے تکتی رہی پھر وہ مسکرا دی۔

''مجھے شوکت میاں خاں جاگیر دار کہتے ہیں۔ بات تری کی، دو پیگ میں سالی زبان بگیں اللہ توبہ، اب منہ نہ لگاؤں گا حرام زادی کو۔'' اس نے اپنے دونوں کانوں کی لوئیں تھام لیں۔

''کسے؟'' لڑکی نے اسے دلچسپ نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''اجی نہیں، شراب سالی۔ وہ کیا کہتے ہیں شاعر لوگ کہ دخترِ رز...''

''جاہلوں کی آواز کبھی سیدھی نہیں ہوتی۔'' اسے دوسری میز سے بالے کی آواز سنائی دی۔ بالے نے یہ الفاظ اس کی طرف دیکھے بغیر بلند آواز سے کہے تھے۔

''میاں خاں، تم خود۔ وہ کیا نام ہے کہ جاہل۔'' شوکت نے وہیں بیٹھے بیٹھے اکڑ کر زور سے کہا۔ کچھ لوگ پلٹ کر اسی طرف دیکھنے لگے۔ لیکن بالے نے تو اس کی طرف پلٹ کر دیکھنا بھی گوارا نہ کیا۔

''آپ یہ کس پر بگڑ رہے ہیں؟'' اس لڑکی نے پوچھا۔

''ہے سالا ایک، لفٹنٹ گورنر، نپٹ لوں گا کسی دن۔'' شوکت نے خود ہی معاملہ درگزر کرتے ہوئے جواب دیا، کیوں کہ اس لڑکی کے آ بیٹھنے سے اس کے دل میں بھڑکتی ہوئی آگ کچھ سرد ہو چلی تھی۔ اور اس موقع وہ بالے کی بجائے اس لڑکی کی طرف زیادہ متوجہ تھا۔

''آپ نے بتایا نہیں اپنا؟''

''کیا؟''

''ارے وہ نام، یعنی کہ کیا؟''

''مجھے افروز کہتے ہیں۔''

''کیا کہا، افسوس؟''

''افروز۔'' لڑکی ہنس پڑی۔

''خیر خیر، آپ کا نام ہے، کون کیا بولے گا، مگر افسوس کی جگہ خوشی کا نام اچھا مالوم ہوتا ہے۔'' شوکت کو اس کا نام اب بھی وہی سنائی دیا۔ شمپئن رنگ دکھا رہی تھی۔

''میرا نام اف...روز ہے۔''

''روز۔ ہاں، روز تو اچھا ناؤن ہے۔ یانی غلاب کا فول۔ ارے واہ، سبحان اللہ، بہت خوب۔ روز یعنی غلاب کا، بات تری، زبان سالی...دو پیگ۔''

''آپ نے زیادہ پی لی ہے۔'' لڑکی نے سنجیدگی سے کہا۔

''کہاں، دوئی تو پیگ پیے۔''

''جب دو میں یہ حال ہے تو زیادہ میں نہ جانے کیا ہوتا۔''

''حال مال کچھ نہیں، یہ تو اتفاق کی بات ہے، میں روز روز تھوڑی...آہا، روز روز،... روز یانی غلاب کا فول، بیوٹی فول...ہچ۔''

''مجھے اجازت دیجیے میں ابھی آئی۔'' لڑکی جیسے کچھ یاد کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اجابت، نہیں، دو دن سے نہیں ہوئی، حکیم صاحب۔'' شوکت اسے جواب دینے کی بجائے اونگھنے والے انداز میں میز پر جھک کر بڑبڑانے لگا۔

لڑکی وہیں کھڑی ہو کر چند سیکنڈ تک اسے دیکھتی رہی پھر تیز قدم اٹھاتی باہر کی طرف چلی گئی۔

دوسرے لوگ اب بھی نارگٹ گیمز کی طرف متوجہ تھے اور بالے نیشا سے گفتگو کر رہا تھا۔ اس نے نیشا کو بڑی سادگی سے یہ بھی بتا دیا تھا کہ ایک رتن چند نامی گجراتی نے خودکشی کر لی ہے اور اس خودکشی کے اسباب کی تحقیق اسی کے سپرد کی گئی ہے۔ رتن چند کیوں کہ اکثر بلیرڈ کلب آیا کرتا تھا۔ مگر بالے اس وقت تذبذب میں پڑ گیا جب نیشا نے اس سے کچھ چھپانے کی

بجائے اسے خود یہ بتایا کہ وہ رتن چند سے مل چکی ہے اور چند گھنٹے پیشتر وہ اس کے ساتھ ہی ایک میز پر تھی۔

''تو پھر آپ ضرور اس کے بارے میں کچھ جانتی ہوں گی؟'' بالے نے سوال کیا۔

''اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ آج اس نے ٹریبل پول جیتی تھی اور رقم لاکھ سے کچھ اوپر تھی۔ اس لیے میں نے بھی یہ کوشش کی کہ اس میں کچھ حصہ بٹا لوں۔'' یہ کہتے ہوئے اس کے لہجے میں نہ جانے کیوں ایک سوقیانہ پن سا جھلکنے لگا۔ اور بالے کو ایک لمحے کے لیے یہ سوچنا پڑ گیا کہ یہ لڑکی اس کلاس سے تعلق نہیں رکھتی، جس کے لیے خان نے اس پر شبہ کا اظہار کیا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ اس کا بزنس ہی دولت مند لوگوں کو اپنے دامِ محبت میں گرفتار کر کے ان سے گراں قدر رقمیں اینٹھنا ہو۔ اعلا سوسائٹی میں بھی ایسی مہذب لڑکیوں کی کمی نہ تھی، جن کا پیشہ مہذب طوائفوں سے کچھ ملتا جلتا ہو۔ اور یہ طبقہ بھی ان مہذب تعیش پسندوں کا ہی پیدا کردہ تھا جو شرافت کے نقاب چہروں پر ڈالے اپنی بھاری جیبوں سے معصوم کلیوں کی مسکراہٹ اور ادھ کھلے پھولوں کا شباب خریدتے پھرتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ وہ یہ نیک کام بالا خانوں کی بجائے عصرِ حاضر کے ان عیش خانوں میں کرتے ہیں، جہاں نئی تہذیب نے آنکھ کھولی ہے اور اس طرح ان کے کردار غلاظت میں ڈوب کر بھی پاکیزہ رہتے ہیں۔

''آپ کچھ سوچنے لگے؟'' نیٹا نے سنجیدگی سے پوچھا۔ اس وقت اس کے چہرے پر کچھ عجیب سی کیفیت تھی، جیسے وہ ایک ایسی تصویر بن گئی ہو جسے اپنے منہ پر طمانچے مارنے کے لیے سامنے رکھا جاسکے۔

''نہیں تو، میں تو اس بدنصیب کے بارے میں سوچ رہا ہوں جو ایک لاکھ ۳۵ ہزار روپے جیت کر بھی چند گھنٹے زندگی کے مزے نہ لوٹ سکا۔'' بالے نے فلسفیانہ انداز میں بڑبڑاتے ہوئے ٹھنڈی سانس لی۔

''آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔ آپ سوچ رہے ہیں کہ میں ایک نیچ اور گری ہوئی

عورت ہوں جو دولت مندوں کو پھانستی پھرتی ہوں ۔صرف ان کی دولت میں حصہ بنانے کے لیے ۔آپ سوچ رہے ہوں گے کہ ایسی عورت اور کرائے کی ٹیکسی میں کوئی فرق نہیں ہوتا ۔"

وہ یہ کہتے کہتے جذباتی طور پر مشتعل ہوگئی ۔"لیکن میں نے اپنی عزت کا سودا کبھی نہیں کیا ۔دوسروں کو بے وقوف بنا کر ان کا خون چوسنے والے ان دولت مندوں کو میں نے ہمیشہ بے وقوف بنایا ہے ۔"

وہ کہتی گئی اور بالے بغور اس کے چہرے پر ابھرنے والے تاثرات کا جائزہ لیتا رہا ۔

"میں قسم کھا سکتی ہوں کہ میں ماں مریم کی طرح کنواری ہوں ۔"

"تو پھر شادی کر لیجیے ۔" بالے نے لاپرواہی سے کہا ۔

"کون کرے گا، آپ؟ جن کے سماج میں ایسی عورتوں کی پاک دامنی پر یقین کرنا گناہ ہے، جن کی تہذیب ایسی لڑکیوں کو زندہ رہنے کے حق سے بھی محروم کر دینا باعثِ فخر سمجھتی ہے ۔حالاں کہ اسی کے چور دروازوں سے ان کی جوانیوں کے سودے ہوتے ہیں ۔"

اور بالے نے دیکھا کہ ان الفاظ کو ادا کرتے ہوئے اس کا چہرہ جوش و غضب سے سرخ ہو گیا تھا ۔پھر وہ میز پر جھک گئی اور ہلکی ہلکی سسکیاں لینے لگی ۔

"ارے، یہ کیا کرنے لگیں آپ، اس سے فائدہ؟" بالے نے سمجھانے والے انداز میں نرمی سے کہا ۔

مگر وہ کچھ نہ بولی ۔اپنے آنسو اس نے اپنے ہی رومال سے پونچھ لیے اور بالے اپنا رومال نکالتا ہی رہ گیا ۔

لیکن اس سے قبل کہ وہ کچھ کہے، نیشا دروازے کی طرف چونک کر دیکھنے لگی ۔ایک تن درست سا خوش پوش آدمی جو ہلکے سبز سوٹ میں ملبوس تھا، منہ میں سگریٹ دبائے اندر داخل ہو رہا تھا ۔اسی شخصیت پر کشش اور بارعب تھی ۔دروازے میں قدم رکھتے ہوئے اس نے ایک نظر سامنے کی طرف دوڑائی اور پھر آگے بڑھنے لگا ۔

Akram Allahabadi

''اوہ، سر سر نیواس۔'' وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ پھر اس نے طنزیہ نظروں سے بالے کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''یہ اتنا دولت مند ہے کہ آپ جیسے ایک ہزار آدمی خرید ے۔'' وہ اس کی طرف چلی گئی اور بالے اس طنز کو محسوس کرتا رہ گیا۔ اس نے دیکھا نینٹا نے سر سر نیواس کا خیر مقدم بڑے پر جوش اور مجنونانہ انداز سے کیا اور دونوں ہاتھ ڈالے چوتھے ہال کی طرف چلے گئے۔

☆☆☆☆☆☆

''ٹھہر جاؤ سارجنٹ۔''

بالے بلیرڈ کلب سے باہر نکلا ہی تھا کہ ایک موٹی سی بھدی آواز نے اسے دروازے پر ہی چونکا دیا۔

بالے نے مڑ کر دیکھا، وہ شوکت تھا، لیکن اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے اور آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

''تو تم نے کیا اسمجھا ہے مجھے؟'' وہ اکڑے ہوئے لہجے میں قریب آ کر بولا۔

''بتاؤں؟'' بالے نے کہا

''بتاؤ گے کیسے نہیں، تمہارے تو وہ بھی بتائیں گے یانی کہ فرشتے۔'' اس نے لڑکھڑاتی زبان میں کہا۔

''اچھا تو جاؤ، میں تمہیں ڈونگرے کا بال امرت سمجھتا ہوں۔'' بالے نے لاپرواہی سے کہا۔

''یہ کیا ہوا؟''

''۱۹۱۴ء کا بڑا معزز آدمی گزرا ہے۔''

''وہ گیا تیل لینے، میں معزز وعزز نہیں، باتیں مت بناؤ، بالے بھائی۔'' شوکت کا

دماغ اور گرم ہو گیا۔

"بھیجا خراب ہوا ہے؟"

"ہاں، خراب ہوا ہے، جاؤ۔ میں تمہاری سارجنٹی وارجنٹی سے نہیں ڈرتا۔ تم نے میری بھری مجلس میں عزت لوٹی ہے۔" شوکت آمادۂ جنگ نظر آنے لگا۔ شاید شمپین کے نشے کو باہر کی کھلی ہوا نے اور بھڑکا دیا تھا۔ وہ سالی کیا کہتی ہوگی دل میں۔" وہ ایک ہاتھ ہوا میں ہلا کر اس لڑکی کو تصور میں لاتے ہوئے بولا۔

"ابے علو کے پٹھے تم خود، بھائی وائی بھی اس کے تم۔"

"میں تو آج انتقام لوں گا تم سے۔" شوکت آستین چڑھانے لگا۔

"وہ سالی کیا کہتی ہوگی۔ آجاؤ، ہو جائیں دو دو ہاتھ۔"

"تم نشے میں ہو۔" بالے نے سنجیدگی اختیار کرلی۔

"نشے میں ہوگے تم، میں کاہے کو۔ میں نے تو شیمپین... ہا تھری... زبان کی تو سالے دو پیگ... ہائیں... چ۔"

بالے اس کے موڈ سے سمجھ گیا۔ اس وقت اسے کسی اور طرح سنبھالنا مشکل ہے، لیکن اتفاق سے اس کی نظر سامنے سے گزرتے ہوئے ایک کانسٹیبل پر پڑ گئی۔ اس نے اسے اشارے سے پاس بلالیا۔ شوکت نے چمچماتی آنکھوں سے دیکھا اور پھر بالے کو گھورنے لگا۔

"نہیں ڈروں گا، اللہ قسم نہیں ڈروں گا۔ چاہے ہو جائے سال بھر کی۔"

"انہیں کسی ٹیکسی میں ۳۲ نسبت روڈ پہنچا دو۔ ان کی گاڑی وہ کھڑی ہے، بعد میں کسی سے ان کے گھر پہنچوا دینا۔" بالے نے سرگوشی کے لہجے میں کانسٹیبل سے کہا۔ وہ اٹینشن ہو گیا۔ شوکت اپنے گول گول دیدے گھما کر ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

"اچھا تو جاؤ، بیٹے، سال بھر کو۔" بالے نے شوکت کی پیٹھ ٹھونکی۔ "اور ہاں، دیکھو حوالدار، صاحب کو ذرا اچھی جگہ دینا، اپنے دوست ہیں۔"

Akram Allahabadi

''ہیچ، حوالدار کیا بگاڑے گا میرا۔ ہٹ جاؤ میاں چڑی کے...'' شوکت نے حوالدار کو بھی ایک طرف دھکیل دیا اور اگر بالے سامنے نہ ہوتا تو حوالدار اس وقت خاموش نہ رہ جاتا۔

''یہ یوں نہیں مانیں گے۔ شراب پی کر دنگا مچانے کے جرم میں انھیں لے جا کر بند کر دو۔''

''باس۔'' شوکت ہاتھ ہلا کر بولا۔ اس نے 'بس' کو اتنا لمبا کھینچا کہ بالے کو ہنسی آ گئی، مگر اس نے منہ پھیر لیا۔

''آ گئے اصلیت پر۔'' شوکت نے محاورے کی ٹانگ توڑ دی۔ ''وہ جو کہتے ہیں کہ گدھے سے کچھ نہیں بنا تو کمہار کے کان اینٹھے، ہونہہ۔''

''چلیے صاحب۔'' کانسٹیبل نے شوکت کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ اور بالے کو کھسکتا دیکھ کر شوکت کا نشہ دھیرے دھیرے کافور ہونا شروع ہو گیا۔

''تو کیا واقعی؟'' شوکت نے پلٹ کر کانسٹیبل کی طرف دیکھا۔ ''ارے نہیں یار، وہ تو ہم مزاخ...''

''آپ کے منہ سے شراب کی بو آ رہی ہے۔'' کانسٹیبل نے بات کاٹ دی۔

''نہیں نہیں، وہ تو دودھ کی خوشبو ہے، یار، ہیچ۔''

''اور یہ ہچکیاں؟''

''وہ... وہ تو ہر، ہاں... میری گھر والی یاد کر رہی ہو گی مجھے۔''

کانسٹیبل نے جواب دینے کی بجائے راستے سے گزرتی ہوئی ایک ٹیکسی روک لی اور جب وہ شوکت کو اس میں بیٹھنے کے لیے کہنے لگا تو شوکت کے گئے ہوش واپس آنے لگے۔ اس نے پلٹ کر دیکھا، بالے جا چکا تھا۔ اس نے کانسٹیبل کو لاکھ یقین دلایا کہ ان کا مذاق تھا، لیکن کانسٹیبل ٹس سے مس نہ ہوا۔ مجبوراً شوکت کو ٹیکسی میں بیٹھنا پڑا۔

''اور میری گاڑی جو کھڑی ہے ادھر؟'' اس نے ٹیکسی میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

Akram Allahabadi

''وہ آپ کے گھر پہنچ جائے گی۔''

''ارے واہ، ایسا کیا، کوئی چرا لے گیا تو؟''

''کوئی نہیں چرائے گا۔''

''پچیس ہزار کی گاڑی ہے، میاں خاں۔ تمہاری پوری زندگی کی تنخواہ کٹ جائے گی۔''

''کٹ جانے دیجیے۔''

''یار، بڑے وہ ہو تم، کیا کہتے ہیں کہ... کہ اڑیل ٹٹو۔''

جواب میں کانسٹیبل صرف مسکرا کر رہ گیا۔

''نمبر ۳۲ نسبت روڈ۔'' کانسٹیبل نے آہستہ سے ڈرائیور سے کہا اور اس نے ٹیکسی اسٹارٹ کر دی۔

''پھنسا گیا مصیبت میں۔ خیر، پرواہ نہیں... میں بھی اب پولیس میں بھرتی ہو کر سارجنٹ کا بھی باپ بنوں گا اور... ہچ... او حوالدار، تمہیں تو میں شہد کی مکھی کی طرح کان سے پکڑ کر باہر نکال دوں گا... ہچ۔''

''شہد کی مکھی کے کان؟''

''صاحب، آرام سے بیٹھیے، گاڑی آپ کے گھر ہی جا رہی ہے۔'' کانسٹیبل نے بتایا۔

''کاں جا رئی ہے؟''

''آپ کے گھر۔''

''اب میرے گھر بھی چلو گے تم؟ نئیں، تھانے چلو، ایسی کی تیسی۔''

''صاحب نے حکم دیا تھا کہ آپ کو آپ کے بنگلے پر چھوڑ دیا جائے۔''

''ارے تو اتنی دیر سے کائے کو نئیں بتایا؟ تو میں نے کتنی سنا ڈالیں بالے بھائی کو۔''

اور یہ کہتے کہتے شوکت خود ہی اپنے کہے ہوئے جملوں کو یاد کر کے اپنی نشست پر قہقہے لگانے لگا۔ کانسٹیبل صرف مسکرا رہا تھا۔

Akram Allahabadi

لاک اپ میں بند آدمی دھاڑیں مار رہا تھا اور لاک اپ کے باہر ایک میز کے گرد بیٹھے ہوئے دو حوالدار اپنی کسی آپس کی بات پر قہقہے لگا رہے تھے۔ سپرنٹنڈنٹ خان اس وقت اندر تھا۔

ابراہیم نے اس آدمی کے بغل جکڑ رکھے تھے اور خان سامنے اسے گھور رہا تھا۔ وہ اوسط قد و قامت کا کسی قدر درشت بناشت والا تیس پینتیس سالہ آدمی تھا۔ اس کے ماتھے پر کسی زمانے کے زخم کا ایک گہرا نشان تھا۔

''تم لوگ سمجھتے ہو کہ پولیس کے ہوتے ہوئے من مانی کر سکو گے۔ تم جیسے بدمعاشوں نے ہی شریف شہریوں کی زندگی اجیرن کر رکھی ہے۔'' خان نے اسے نفرت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا، لیکن جواب میں وہ کچھ نہ بولا۔ ابراہیم نے ایک بار پھر اس کے سر کے بالوں کو انگلیوں میں دبا کر جھٹکا دیا تو وہ شدتِ درد سے کراہ کر رہ گیا۔ اس پر دس پندرہ منٹوں سے تھرڈ ڈگری کا عمل کیا جا رہا تھا۔ یہ وہی آدمی تھا جس نے ریس کورس میں رتن چند کی طرف وارننگ کی چھٹی پھینکی تھی۔

''یہ کس کی لکھی ہوئی ہے؟'' خان نے پھر سوال کیا۔

''ہم... مجھے نہیں معلوم۔'' قیدی نے سر کو جھٹکتے ہوئے کہا۔

''تم جھوٹ بولتے ہو۔ تمہیں نہیں معلوم کہ تم اگر سیدھی طرح نہ بتاؤ گے تو رتن چند کے خون کے الزام میں تم کو پھانسی دی جائے گی۔ اس پر تمہاری انگلیوں کے نشان موجود ہیں۔'' خان نے اسے دھمکی دی۔ اور یہ دھمکی تھرڈ ڈگری سے کامیاب رہی۔ کیوں کہ وہ سوچ میں پڑ گیا۔

''لیکن وہ... وہ... وہ مجھے زندہ نہ چھوڑے گا۔'' قیدی نے ایک جھرجھری سے کانپتی آواز میں کہا۔

''وہ کون؟''

Akram Allahabadi

اور وہ قیدی کانپنے لگا۔خاصے ڈیل ڈول کا آدمی ہو کر بھی وہ اس وقت کسی نامعلوم شخصیت کے خوف سے کانپ رہا تھا۔

''یہاں لاک اپ میں کوئی تم تک نہیں پہنچ سکتا، اگر تمہیں کسی کا خطرہ ہے تو تمہاری حفاظت کی جائے گی، بشرطیکہ تم صحیح جوابات دو۔''

''مگر ہم وہ...وہ ضرور...ہم...مجھے مار ڈالے گا۔''وہ پھر کانپنے لگا۔

''کون ہے وہ؟''خان کا موڈ پھر بگڑ گیا۔

''پپ...پانچ...پچپن...پانچ سو پچپن۔''

''۵۵۵؟ یہ کیا بلا ہے؟''

''وہ بہت خوں خوار آدمی ہے۔''قیدی نے آنکھیں پھاڑ کر دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔حوالات کے سامنے ٹہلنے والا پولیس کانسٹیبل مسکرا رہا تھا۔نہ جانے کیوں اس کی شکل دیکھتے ہی قیدی نے ایک زور کی چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔خان اس بے ہوشی کا سبب نہ جان سکا۔وہ اس ۵۵۵ کے بارے میں سوچ رہا تھا، جس کا ذکر قیدی نے کیا تھا اور رتن چند کے کوٹ کی جیب سے برآمد ہونے والے کارڈ پر بھی یہی پراسرار نمبر موجود تھا۔قیدی کے چیختے ہی وہ اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''ارے، یہ تو بے ہوش ہو گیا، مگر کیسے؟''خان نے جھک کر اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ایک چیخ ماری تھی۔شاید کسی خوف سے۔''ابراہیم نے مؤدب لہجے میں کہا۔

''ذرا پانی منگاؤ کسی سے۔''خان نے ہدایت کی۔

ابراہیم نے لاک اپ کے دروازے تک آ کر ٹہلتے ہوئے پہرے دار کانسٹیبل کو پانی لانے کے لیے کہا اور پھر لوٹ آیا۔دو منٹ بعد ہی پہرے دار پانی لے آیا۔شیشے کا گلاس نہ ملنے کی وجہ سے وہ ایک جگ میں پانی لایا۔پانی کے چھینٹوں سے بے ہوش قیدی کو ہوش آ گیا، مگر اس کا حلق تک خشک ہو رہا تھا۔اسی پانی میں سے دو گھونٹ پی کر وہ اٹھ بیٹھا، لیکن اس وقت اس

کی حالت غیر نظر آنے لگی۔اس کے چہرے کا رنگ تبدیل ہونے لگا۔

''تم بہت ڈرے ہوئے ہو؟''

''نن...نہیں۔اب ڈرنے سے فائدہ؟'' وہ ہانپنے لگا۔اس کی سانس تیز ہو رہی تھی۔

''میں نے کہا تھا، وہ...مار...''

یہ کہتے کہتے وہ پھر تیورا گیا، جس کے ساتھ ہی اس کے منہ سے چیخ نکل پڑا۔

''ابراہیم، وہ کانسٹیبل کہاں ہے جو پانی لایا تھا؟'' خان ایک دم چونک کر پلٹا۔

''ابھی تو باہر گیا ہے، جناب۔'' ابراہیم نے اس کا مطلب نہ سمجھ کر سادگی سے جواب دیا۔

''اس سے کچھ اور پوچھنے کی کوشش کرو۔'' یہ کہتا ہوا خان ابراہیم کو وہیں چھوڑ کر باہر کی طرف لپکا۔دروازے پر اس وقت وہ سپاہی موجود نہ تھا۔

''وہ کانسٹیبل کہاں گیا؟'' خان نے حوالات کے دروازے پر کچھ دور کھڑے ایک بندوق بردار کانسٹیبل سے پوچھا۔''جو ابھی یہاں تھا اور اندر پانی لایا تھا۔''

''ڈیوٹی تو میری ہے، حضور۔'' کانسٹیبل نے ڈرتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''تم کہاں تھے ابھی؟''

''انسپکٹر سانے صاحب نے نئی ڈیوٹی لگانے کے لیے بلایا تھا۔مگر مجھے پانچ منٹ بھی نہیں لگے، حضور۔''

''تم یہ جگہ چھوڑ کر گئے ہی کیوں تھے؟''

''حضور، سانے صاحب تو وہ سامنے ہی میز پر بیٹھے ہیں، میں باہر تو نہیں گیا تھا۔''

کانسٹیبل اور زیادہ خوف زدہ ہو گیا۔اس کی آواز لرزنے سی لگی تھی، کیوں کہ پورا اسٹاف جانتا تھا کہ بے وجہ خان کسی سے باز پرس نہیں کرتا اور وہ وجہ بھی معمولی نہیں ہوتی، لیکن خان نے اسے کچھ نہ کہا۔وہ سیدھا صدر دروازے کی طرف دوڑا۔اسے اس طرح دوڑتے دیکھ کر انسپکٹر سانے

اور دوسرے جونیر آفیسر بھی پیچھے دوڑ پڑے۔ حالاں کہ وہ کچھ سمجھ نہ سکے تھے۔

''ابھی کوئی باہر گیا ہے یہاں سے، کوئی کانسٹیبل یا حوالدار؟'' خان نے صدر دروازے کے سنتری سے سوال کیا۔

''جی نہیں، حضور۔'' اس نے ادب سے اٹینشن ہو کر جواب دیا، لیکن ایک اور راستہ بھی تھا، جو ہیڈ کوارٹرز کے عقبی حصے سے ایک تنگ سڑک کی شکل میں مین روڈ کی طرف جاتا تھا۔ خان جیسے ہی پیچھے پلٹا، آتے ہوئے انسپکٹر اس کے سامنے اٹینشن ہو گئے۔

''آپ لوگ اپنا کام کیجیے۔'' خان نے انھیں ہدایت کی اور اپنی کار میں بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے گاڑی عقبی تنگ راستے کی طرف دوڑا دی۔

مین روڈ تک اسے کسی کا سایہ بھی نہ ملا اور اسے مجبوراً پلٹ کر آنا پڑا۔ ہیڈ کوارٹرز کی پوری عمارت اور اطراف کو چھان مارا گیا۔ عمارت میں موجود تمام کانسٹیبلوں کی پریڈ خان کے سامنے کرائی گئی، لیکن وہ اس شکل کا کانسٹیبل جو پانی لے کر اندر آیا تھا، اس کی نظر نہ پڑا۔ دوسرے تمام لوگوں نے بھی اس سے لاعلمی ظاہر کی۔ ابھی خان اسی تلاش میں مصروف تھی ابراہیم آ پہنچا۔

''حضور، اس کی تو زبان بند ہو چکی ہے۔ منہ سے پھین ہی پھین نکل رہا ہے۔'' ابراہیم نے گھبرائے ہوئے لہجے میں رپورٹ دی۔

''اسے فوراً سول اسپتال لے چلو۔'' خان نے حکم دیا۔

حکم کی دیر تھی کہ بھگدڑ مچ سی مچ گئی۔ پولیس ایمبولینس فوراً دروازے پر لگا دی گئی اور لاک اپ کے اندر سے بے ہوش قیدی کو اسٹریچر سے نکال کر ایمبولینس مین رکھ دیا گیا۔ اور اس جگہ کو جس میں نامعلوم کانسٹیبل پانی دے گیا تھا، بچے ہوے پانی کے چند قطروں سمیت سرکاری کیمیکل انالائزر کے پاس بھیج دیا گیا۔

سول اسپتال پہنچنے میں اگر چہ انھیں بمشکل پندرہ منٹ لگے، لیکن جس وقت قیدی کو

ایمبولینس سے اتارا جانے لگا، وہ مر چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

تیسری واردات

بالے کو شہر لوٹ کر گھر میں گھسے ابھی بمشکل پندرہ منٹ بھی نہیں ہوئے تھے کہ تازہ آفت آ گئی۔

''صاحب بلاتے ہیں۔'' غلام رسول نے دروازہ کھول کر اندر آتے ہوئے کہا۔

''ان سے کہہ دو کہ بالے صاحب خرگوش کے خواب کے مزے لے رہے ہیں۔'' بالے نے آنکھیں بند کیے ہوئے جواب دیا۔

''آپ جانیے، صاحب۔'' غلام رسول نے دونوں ہاتھ جھٹکے۔

''دور ہو جاؤ، ورنہ ٹیبل لیمپ کھینچ ماردوں گا۔'' بالے نے غلام رسول کو دھمکی دی، لیکن فوراً ہی سپرنٹنڈنٹ خان کی آواز نے اسے چونکنا کر دیا۔

''موت کا ایک دن معین ہے۔''

''لیکن نہیں معین تو آپ کا وقت ہے۔'' وہ بڑبڑاتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ اس نے فرضی نیند سے بوجھل آنکھیں ملتے ہوئے جب باہر نکل کر دیکھا تو خان محوِ خوابی کے لباس میں نہ تھا۔ اس نے باہر سے آ کے کپڑے تبدیل ہی نہیں کیے تھے، صرف منہ دھو کر اور چائے پی کر وہ پھر تیار ہو گیا۔

''فرمایئے؟ یہ چڑی کا غلام حاضر ہے۔'' بالے نے سر کو خم کر کے کہا۔

''چلو جلدی سے تیار ہو جاؤ۔''

''کہاں جانا ہے؟''

''جہنم میں۔''

''آپ تشریف لے چلیے، بندہ پیچھے سے حاضر ہوتا ہے۔''

Akram Allahabadi

''نہیں، ساتھ چلنا ہوگا۔''

''ہائے، مگر میرے اعمال تو اچھے تھے؟''

خان نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ بڑے کمرے کی دیوار گیر کلاک میں بھی اس وقت ۲ بج کر ۱۰ منٹ اور گزر چکے تھے۔

''آپ ان دنوں اچانک پسند ہو گئے ہیں۔'' بالے نے بیٹھے بیٹھے تبصرہ کیا۔

''یہ محکمہ ہی ایسا ہے، برخوردار۔'' خان نے گاڑی کی رفتار تیز کرتے ہوئے کہا۔

''میں اس لڑکی سے پھر ملا تھا۔'' بالے نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''ہم۔'' خان اسکی طرف دیکھے بغیر بولا۔

''وہ تو کوئی زمانے کی ٹھکرائی ہوئی اذیت پسند روح معلوم ہوتی ہے، جس نے دولت مندوں کو بے وقوف بنانا اپنا شعار بنالیا ہے۔'' بالے نے کہا۔

''ایسی ہی اذیت پسند روحیں سب کچھ کر گزرتی ہیں، کیوں کہ انھیں نتائج کی پرواہ نہیں ہوتی۔''

''لیکن وہ ایسی نہیں معلوم ہوتی۔ اس نے نہ تو میری اصلیت سے واقف ہو کر کسی حیرت یا خوف کا اظہار کیا نہ ہی اس نے اس نے کچھ چھپایا۔ اس نے خود ہی مجھے بتایا کہ وہ رتن چند کی ایک لاکھ ۳۵ ہزار میں سے کچھ رقم اینٹھنا چاہتی تھی، لیکن رتن چند کی موت سے اس کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔

''اور تم اس کی معصومیت پر ایمان لے آئے؟''

''ہائے، کون لائے نہ ایمان اس بتِ کافر پر۔ ہوتے بھائی عبدالرفوغم تو وہیں اپنا مزار بنوا لیتے۔''

''کیا بکواس ہے؟''

''شعر نازل ہوا تھا۔''

Akram Allahabadi

''کچھ میں نازل کروں تمہاری کھوپڑی پر۔''

''اسے نزلہ کہیں گے، جس کے لیے ہمدرد نے ایک مادہ ایجاد کر رکھی ہے۔''

''شٹ اپ، صرف کام کی بات۔''

اور بالے خاں کا موڈ بگڑا دیکھ کر اس وقت خاموش رہا۔

کچھ دیر بعد ان کی کار ایک تنگ و تاریک سی گلی میں رک رہی تھی۔ یہاں انھیں ایک چبوترے لگائے ہوئے بوڑھا سا کبڑا فقیر ایک پختہ مکان کے بند دروازے کے سامنے پڑا نظر آیا۔ کار کی ہیڈ لائٹس پڑتے ہی وہ کراہنے لگا۔ خان نے اپنی کار اس کے قریب ہی روک دی۔

''اب آپ کچھ خدا ترسی کریں گے۔'' بالے بڑبڑایا۔ مگر جواب دینے کی بجائے خان کار سے اتر کر اس فقیر کے بنز دیک پہنچ گیا۔ بالے کو بھی مجبوراً پیچھے آنا پڑا۔

''بابا، ایک دے گا تو اللہ سے ستر پائے گا۔'' فقیر نے مچی مچی آنکھوں سے انھیں دیکھ کر آواز لگائی۔

''لیجیے، نیکیوں میں بھی سقہ چلنے لگا۔'' بالے نے خان سے کہا۔

مگر جواب دینے کی بجائے خان نے جیب سے ایک اکنی نکال کر فقیر کی ہتھیلی پر رکھ دی۔ فقیر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ پھر اس کا ہاتھ پیشانی پر جا لگا۔

''کیا رپورٹ ہے، اسرار خان؟'' خان نے اس سے آہستہ سے پوچھا۔

''ارے، یہ تو۔'' بالے چونکا۔ ''واقعی بُرے اعمال کا یہ انجام ہوتا ہے۔''

''ابھی کچھ دیر پہلے ایک لمبی سی کالی کار میں ایک نوجوان لڑکی یا عورت اس سے ملنے آئی تھی۔'' فقیر نے سرگوشی کے لہجے میں کہا۔

''اسی دروازے پر سے؟''

''جی ہاں۔ دوسری طرف والے بڑے دروازے پر تو تالا پڑا ہوا ہے۔'' فقیر نے بتایا۔

Akram Allahabadi

''لڑکی اکیلی تھی؟''

''جی نہیں، ایک قد آور اور تن درست سا آدمی بھی اس کے ساتھ تھا۔''

''ڈاکٹر خود کسی وقت گھر سے نکلا تھا یا نہیں؟''

''جی نہیں، لیکن ان دونوں کے آنے پر دروازہ اس نے خود کھولا تھا اور وہ ان کی شکلیں دیکھ کر کچھ چونک سا پڑا تھا۔''

''ہم۔'' خان کسی سوچ میں پڑ گیا۔

''پھر وہ تقریباً دس منٹ بعد باہر آئے اور اسی کار میں چلے گئے۔''

''تم نے سگنل دیا تھا؟'' خان نے پوچھا۔

''جی ہاں۔ میں نے انسپکٹر زبیر کو سگنل دے دیا تھا۔ ان کی وائرلیس وین نے اس گاڑی کا پیچھا کیا ہوگا۔''

''اس کے بعد سے کوئی بات ہوئی؟''

''جی نہیں۔''

لیکن اسی وقت کسی کے کراہنے کی مدھم سی آواز نے انھیں اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ خان نے جھپٹ کر دروازے سے کان لگا دیے۔ آواز اندر سے آ رہی تھی اور اتنی مدھم تھی، جیسے کوئی بند کمرے میں یا کہیں دور کراہ رہا ہو۔

دروازے کو دھکیل کر کھولنے کی کوشش بے کار ثابت ہوئی، کیوں کہ وہ اندر سے بند تھا۔

''اوہ، ضرور ہم سے بھول ہوگئی۔'' خان یہ کہتا ہوا دروازے سے کچھ دور ہی بند کھڑکی کی طرف دوڑا، لیکن وہ بھی اندر سے بند تھی، اس میں لوہے کی سلاخیں بھی لگی تھیں، جس کی وجہ سے شیشے کو توڑ کر اسے کھول لینے کے باوجود اس میں داخلہ ناممکن تھا۔

''وہ پائپ۔'' بالے نے اشارہ کیا۔

Akram Allahabadi

''ہاں، چلو شاید...'' یہ کہہ کر خان بجلی جیسی پھرتی سے اس پائپ کے سہارے چڑھتا ہوا اوپر پہنچ گیا۔

''بھائی اسرار، تم یہاں پہرہ دو۔'' یہ کہتے ہوئے بالے بھی بندر جیسی پھرتی سے اچھلا اور پائپ کے سہارے اوپر پہنچ گیا۔ اس وقت خان چھت پر سے ہوتا ہوا ٹیرلیس کے زینے سے اندر اتر چکا تھا۔ زینے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔

وہ جب نیچے پہنچا، تو کسی کے قدموں کی ہلکی سی چاپ نے اسے چونکا دیا۔ مگر اندھیرے میں نظر آنے والا سایہ سوائے خان کے اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ بلی جیسے دبے قدم رکھتا ہوا بالے اس کے قریب پہنچ گیا۔

''کوئی اس کمرے میں کراہ رہا ہے۔'' خان نے سرگوشی کے لہجے میں کہا۔

''عمارت تو سونی معلوم ہوتی ہے۔''

''ہو سکتا ہے، لیکن خطرات سے بے خبر نہ ہونا چاہیے۔'' یہ کہتا ہوا خان دیوار کے سہارے اس کمرے کے دروازے تک پہنچ گیا۔ اندر روشنی ہو رہی تھی اور اندر سے کسی کے کراہنے کی آواز اب صاف آ رہی تھی۔ کھڑکی کے شیشے سے جھانک کر دیکھنے پر انھیں کمرے میں صرف ایک آدمی نظر آیا۔ یہ ڈاکٹر کی خواب گاہ تھی، اور وہ اکیلا ہی اندر تھا۔ وہ اپنے بستر کے قریب بچھی ہوئی گدے دار کرسی سے لڑھک گیا تھا اور فرش پر اسی طرح اوندھا پڑا تھا کہ اس کا نصف چہرہ صاف دکھائی دیتا تھا۔

''ارے، کچھ ہو گیا یہاں بھی۔'' خان نے یہ کہہ کر دروازے کو دھکا مارا، لیکن وہ نہ کھلا، البتہ کھڑکی ایک ہی دھکے سے کھل گئی اور وہ اندر کود گئے۔

ڈاکٹر کے منہ سے زرد زرد جھاگ نکل کر فرش تک پھیل گیا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ کر وہ مدھم آواز میں کراہ رہا تھا۔

خان نے جب اسے پلٹا تو وہ اس کی بدلی ہوئی کیفیت کو دیکھ کر چونک پڑے۔ اس

کے پپوٹے سوج گئے تھے اور چہرے پر چکتے پڑ گئے تھے۔

''شاید ہم اسے اسپتال بھی نہ لے جا سکیں گے۔'' خان نے مایوسی سے کہا۔

''تو کیا اس پر وہی حملہ...؟'' بالے نے کہنا چاہا۔

''ہاں، مجھے مغالطہ لگا۔ میں اسی کو اس سلسلے کی جڑ سمجھ رہا تھا۔'' خان بڑبڑایا۔ ڈاکٹر کی نبض ڈوب رہی تھی اور وہ لمبی لمبی ہلکی سانسیں لے رہا تھا۔

بہر حال ان کی کسی کوشش سے قبل ہی ڈاکٹر کا دم اکھڑنے لگا۔

''ڈاکٹر، ڈاکٹر۔'' بالے نے اسے جھنجھوڑا۔

''بے کار ہے۔'' خان نے کہا، لیکن ڈاکٹر کے ہونٹ ہلتے دیکھ کر وہ فوراً ہی اس پر جھک گیا۔

''وہ...وہ...'' ڈاکٹر نے بمشکل کہا۔ ''پانچ... پانچ سو...'' اس کی آواز خرخراتے ہوئے حلق میں اٹکنے لگی۔

''پچپن؟'' خان نے پوچھا۔ اور جواب میں ڈاکٹر نے صرف اثبات میں سر ہلا کر گردن ایک طرف لڑھکا دی۔ اس کا دم نکل چکا تھا۔

''ایک ہی رات میں ایک ہی سلسلے کا تیسرا موڑ۔'' خان مٹھیاں بھینچ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''وہ لڑکی کون ہو سکتی تھی؟'' بالے سوچ میں پڑ گیا۔ ''اور اس کے ساتھ والا؟''

''تم فوراً بلیرڈ کلب پہنچ کر اس لڑکی کو چیک کرو۔ میں یہاں کا جائزہ لیتا ہوں۔ اور ہاں اسرار کو یہاں بھیجتے جاؤ۔'' خان نے بالے کو ہدایت کی اور بالے کچھ کہے بغیر باہر نکل گیا۔

☆☆☆☆☆☆

۱۲ بج چکے تھے اور نیشا بلیرڈ کلب میں اس وقت بھی موجود تھی۔ بالے نے ہال کے ایک بیرے کو پانچ روپے کا ایک نوٹ تھما کر جب اس کے متعلق پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ

ایک خوش پوش قد آور تن درست آدمی کے ساتھ کہیں گئی ہوئی تھی اور ابھی کچھ دیر پہلے ہی لوٹ کر آئی ہے۔اس وقت وہ ایک بدشکل سے ادھیڑ عمر کے کسی رئیس کے ساتھ ایک ٹیبل پر بیٹھی ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی اور اس کا مقابل اس کی ہر سحر انگیز مسکراہٹ پر ریشہ خطمی ہوا جا رہا تھا۔ اس وقت بالے سوچ میں پڑ گیا کہ براہِ راست مداخلت کرے یا خاموشی سے اس کی حرکات کو اسٹڈی کرے۔چند سیکنڈ غور کرنے پر یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا۔اور وہ اس میز پر جا بیٹھا جو ہال کے قد آدم آئینے سے اس زاویے پر پڑتی تھی، جس پر بالے نیشا کے عکس کو صاف آئینے میں دیکھ سکے۔

یہاں بیٹھے ابھی اسے بمشکل چند منٹ ہی گزرے تھے کہ ہال کے دروازے سے وہی لڑکی داخل ہوئی جو کچھ دیر پہلے اسی ہال میں شوکت کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی اور جس نے اپنا نام افروز بتایا تھا۔اور وہ کسی اور طرف دیکھے بغیر سیدھی بالے کی میز پر آ کر بیٹھ گئی اور بالے چونک کر اسے دیکھنے لگا۔اس کے انداز سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اس سے کچھ کہنا چاہتی ہو، مگر کہتے ہوئے ہچکچا رہی ہو۔

''آپ مجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہیں؟'' بالے نے خود ہی سلسلہ گفتگو چھیڑ دیا۔

''جی، جی ہاں۔'' وہ ایک نظر چاروں طرف دوڑا کر بولی۔

''فرمایئے؟'' بالے آگے کی طرف جھک گیا۔

''شوکت صاحب آپ کے دوست ہیں؟'' اس نے پوچھا۔

''شوکت...؟ ہاں۔کیوں؟'' بالے نے سادگی سے کہا۔

''ان کی زندگی خطرے میں ہے۔'' لڑکی نے ایک محتاط نظر چاروں طرف ڈال کر آہستہ سے کہا۔بالے اس انکشاف پر چونک پڑا۔

''ایسی بات ہے؟'' اس نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔''

''کیا فرمایا؟ شادی؟ آپ سے؟'' بالے نے آنکھیں پھاڑ کر مصنوعی حیرت کا

اظہار کیا، ورنہ شوکت کی اس قسم کی بات اس کے لیے حیرت انگیز نہ تھی۔ وہ ہر خوب صورت لڑکی کو شادی کی پیشکش کرنے کے لیے ہمیشہ تیار رہتا۔

''جی ہاں۔'' لڑکی نے دہرایا۔ ''لیکن میں شادی شدہ ہوں۔''

''تب تو معاملہ ٹیڑھا ہے۔'' بالے نے چہرے کو فکرمند بنا لیا۔

''بالکل۔ اور میرا شوہر جس نے ہماری گفتگو سن لی تھی، غصے میں بھر کر اسی وقت ان کی جان لینے گیا ہے۔''

''اس کی... یعنی شوکت کی؟'' بالے نے معصومیت سے پوچھا۔

''جی ہاں۔'' لڑکی نے اپنی معصوم شکل کو غم آلودہ بنا لیا۔

''چچ چچ...، بے چارہ۔ خدا اس کی ضرور مغفرت کرے گا۔ ایسے شہیدوں کے لیے جنت میں خاص انتظام ہے۔''

''تو یا آپ انھیں بچائیں گے نہیں؟''

''جی لعنت بھیجیے، جیسی کرنی ویسی بھرنی۔ کسی کی بیوی سے عشق لڑانے کو ایسی ہی سزا ملنی چاہیے۔''

''مگر وہ آپ کے دوست ہیں؟''

''بے غیرت ہے۔ ایسے دوستوں کے لیے میں ان کے مرنے سے پہلے ہی فاتحہ پڑھ دیا کرتا ہوں۔''

''اوہ، آپ تو بہت بے رحم نکلے۔'' وہ غصے میں بھر کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ بالے نے اس کے جانے کی پرواہ نہ کی، لیکن جیسے ہی وہ تیز رفتار سے چلتی ہوئی کمرے سے باہر نکلی، بالے اپنی نشست سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے کاؤنٹر پر ٹل چکایا اور باہر نکل گیا۔ ابھی وہ کلب کے دروازے سے نکل ہی رہا تھا کہ کسی نے اس کا راستہ روک لیا۔ اس نے دیکھا وہ ایک فرنچ کٹ داڑھی والا بوڑھا سا آدمی تھا، اس نے آنکھوں پر موٹے شیشوں کی عینک لگا رکھی تھی۔

''جوان لڑکیوں کا پیچھا کرنا اچھی بات نہیں ہے، بیٹے۔''اس مشفقانہ لہجے میں کہا۔

''وہ آپ کی بیٹی تو نہیں ہے؟''بالے نے چلے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

''لیکن تمہاری والدہ ہوسکتی ہے، نامعقول۔''اس آدمی نے جھڑکنے والے انداز میں جواب دیا۔اور بالے غور سے اس کی شکل دیکھنے لگا۔خان نے بڑا غیر مانوس میک اپ کر رکھا تھا۔مگر وہ اپنا لہجہ حسبِ معمول نہ بنالیتا تو بالے اسے کوئی خدائی فوج دار سمجھ کر الجھ پڑا ہوتا۔

''تو آپ یہاں موجود ہیں؟''بالے نے آہستہ سے کہا۔

''ہم۔''خان اس لڑکی کو ایک ٹیکسی میں بیٹھتے دیکھ کر بولا۔

''مجھے اس لڑکی پر شک ہے۔وہ مجھے ابھی بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہی تھی۔''

''وہ کسی صورت تمہیں یہاں سے ہٹانا چاہتے تھے۔خیر، میں اسے دیکھتا ہوں۔تم ابھی اندر ہی رہو۔کلب کے بند ہونے کے وقت تم نیشا کے ساتھ یا اس کے پیچھے ہی باہر نکلنا۔''

''کچھ سمجھ میں نہیں آرہا چکر؟''

''ابھی نہیں سمجھو گے۔''خان یہ کہہ کر مزید کچھ بتائے آگے بڑھ گیا اور بالے چند سیکنڈ وہیں کھڑے رہ کر ہال کی طرف لوٹ گیا۔

بالے کے اندر جانے کے بعد خان کے اشارہ کرتے ہی دور کھڑی ہوئی ایک ٹیکسی اسٹارٹ ہوکر قریب آگئی اور وہ اس میں بیٹھ گیا۔یہ ٹیکسی آگے جانے والی ٹیکسی کے پیچھے روانہ ہوگئی۔

آگے پیچھے دوڑتی ہوئی دونوں گاڑیاں جب شہری آبادی کو چھوڑ کر نیشنل پارک کے علاقے میں داخل ہوئیں تو رات کا بھیانک سناٹا گہرا ہو چکا تھا۔آگے جانے والی ٹیکسی ایک دوسری تنگ سڑک پر گھوم کر ایک پھاٹک کے سامنے رک گئی۔اس میں سے اترنے والے دو انسانی سایوں میں سے ایک وہی لڑکی اور دوسرا ایک قد آور اور سانولے رنگ کا آدمی تھا، جس نے گہرے کتھئی رنگ کا گرم سوٹ پہن رکھا تھا۔خان نے گاڑی موڑ پر ہی رکوادی اور اتر کر پیدل ہولیا۔وہ سڑک کے کنارے کنارے چھڑی ٹیکتا کسی تفریح پسند بوڑھے آدمی کی طرح بے

خیالی کے عالم میں چل رہا تھا۔اس نے سامنے والے فٹ پاتھ کا راستہ اختیار کیا تھا،لیکن شاید ان دونوں کو کسی قسم کے خطرے کا احساس نہ تھا۔وہ اس عمارت میں داخل ہو چکے تھے۔خان نے قریب پہنچ کر دیکھا ٹیکسی خالی تھی،جس کا مطلب یہ تھا کہ صرف وہ دونوں ہی گاڑی میں آئے تھے اور گاڑی خود اس دوسرے آدمی نے چلائی ہو گی،لیکن خان جیسے ہی اس احاطے میں داخل ہوا،اس ٹیکسی کی پچھلی نشست کے تاریک حصے سے سایہ ابھرا اور اس نے اپنے ہاتھ میں موجود پستول کی نالی کا رخ خان کی طرف کر دیا،مگر پھر خود ہی کچھ سوچ کر اس نے پستول جیب میں ڈال لیا اور گاڑی سے اتر کر آہستہ آہستہ خان کا پیچھا کرنے لگا۔

احاطے میں ایک دو کھمبوں کے سہارے ٹکے ہوئے فریم پر ایمرسن فنانس کارپوریشن کے حروف علاحدہ سے نصب تھے اور قریب سے دیکھنے پر بھی کافی خوب صورت معلوم ہو رہے تھے۔ایمرسن فنانشل کارپوریشن کے اشتہارات بسا اوقات اخباروں میں خان کی نظروں سے گزر چکے تھے،لیکن یہاں آنے کا اتفاق اسے پہلی بار ہوا تھا۔وہ خود بھی اس قسم کے اداروں کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتا تھا،کیوں کہ مالی قرضے دینے والے کئی ایسی فرموں نے لوگوں کے ساتھ کئی بار فریب اور بد دیانتی کے مظاہرے کیے تھے۔وہ اس بورڈ کے نزدیک سے گزر کر عمارت کے برآمدے میں داخل ہو گیا۔

اس وقت پیچھے سے آنے والا نامعلوم آدمی پشت پر سے صرف دس قدم کے فاصلے پر پہنچ کر خان کے برآمدے میں قدم رکھتے ہی وہ ایک کھمبے کی آڑ میں ہو گیا اور پستول نکال کر اس نے چاہا ہی تھا کہ گولی چلائے،مگر اسے خود اپنی پیٹھ پر کوئی سخت سی چیز چبھتی ہوئی محسوس ہوئی۔

''خبردار جو حرکت کی۔'' اسے پشت سے سرگوشی کرتی ہوئی آواز سنائی دی اور اس کا ہاتھ رک گیا۔خان کی ٹیکسی کے ڈرائیور کے بھیس میں رؤف کی بڑی بڑی مونچھیں اپنی انفرادیت کا مظاہرہ کر رہی تھیں۔خان نے پلٹ کر دیکھا اور مسکرا دیا۔

''اسے اسی طرح لے جا کر ٹیکسی میں بٹھاؤ،میں آتا ہوں۔'' خان نے رؤف کو

ہدایت کی اور رؤف نے بہتر ہے کہہ کر اسے آگے دھکیلا۔ پستول کی نوک پر وہ بے چون وچرا حکم کی تعمیل کرنے لگا۔

برآمدے کو عبور کر کے جب خان نے بڑے داخلی دروازے پر قدم رکھا تو وہ یہ محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا کہ دروازہ کھلا ہے۔ اندر جھانکنے پر بھی جب کوئی نظر نہ آیا تو اندر داخل ہوگیا۔ یہ ایک بلند چھت والا تکنا ہال تھا، جس کے وسط میں ایک صوفہ سیٹ لگا ہوا تھا۔ اس نے احتیاط کے ساتھ ہال کو عبور کر لیا۔ یہاں سے اوپر کی منزل کا زینہ تھا اور اس پر اس وقت روشنی ہو رہی تھی۔ چند سیکنڈ تک سوچنے کے بعد خان زینہ طے کرنے لگا۔ اوپر پہنچ کر بھی اسے کوئی نظر نہ آیا۔ عمارت میں اتنا ہی سناٹا تھا کہ کسی ذی روح کے وجود پر بھی شبہ ہونے لگا تھا، لیکن جب اسے درمیانی کمرے کا دروازہ بھی کھلا ہوا ملا تو وہ سوچ میں پڑ گیا۔ آخر وہ دونوں کہاں غائب ہو گئے۔ وہ سوچ ہی رہا تھا کہ ایک خفیف سے کھٹکے کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ آواز اسی کھلے دروازے والے کمرے سے آئی تھی۔ اس نے پستول باہر نکال لیا اور اچانک اس میں داخل ہوگیا، لیکن یہاں تو کوئی نہ تھا اور اب وہی آواز اس سے ملے ہوئے دوسرے کمرے میں آ رہی تھی۔ اس کا دروازہ بھی اسی کمرے میں تھا، کھلا ہوا تھا، مگر وہ جیسے ہی اس کمرے میں داخل ہوا، کمرے کا دروازہ اور کھڑکیاں سب بند ہو گئے۔ خان پستول ہاتھ میں تھامے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ اس وقت ایک اچانک اور بھاری قہقہے نے کمرے کی خاموش فضا کو لہرا دیا اور کمرے کی مغربی دیوار پر لگا ہوا ایک گول چکر آپ سے آپ گردش کرنے لگا۔ اسے دیکھتے ہی خان کو وہ نشانے بازی والا ٹارگٹ یاد آ گیا جو بلیرڈ کلب کے تیسرے ہال میں نصب تھا اور جس پر چھوٹے باریک نوک والے تیروں سے نشانے مارے جاتے تھے۔ یہ اس ٹارگٹ سے چھوٹا تھا، جس پر بالے نے ایئر گن سے نشانے مارے تھے، لیکن اس ٹارگٹ کے بالکل سامنے ہی دیوار میں نصب تھا۔ اس چکر کے گردش کرتے ہی کمرے کی روشنیاں بار بار چلنے اور بجھنے لگیں یہ عمل اتنا تیز تھا کہ کوئی کسی چیز پر پوری طرح اپنی نظر بھی قائم نہ رکھ سکے۔ قہقہے کی آواز یقیناً اس چکر

سے سنائی دی تھی۔

''تم کون ہو بزدل جو اس طرح چوری چھپے بہادری بہادری جتاتے ہو؟'' خان نے اسے چیلنج کیا۔

''مجھے نہیں جانتے؟'' گردش کرتے ہوئے چکر سے ایک بھاری آواز سنائی دی۔ ''جس کی تلاش کر رہے ہو اسے نہیں جانتے؟ لیکن خیر اس میں تمہارا کیا قصور مجھے کوئی بھی نہیں جانتا۔ شاید میرا سایہ تک مجھے نہیں جانتا۔ میں دشمنوں کے لیے موت اور دوستوں کے لیے سب کچھ ہوں۔''

''ڈرامائی انداز میں دو چار خون کرا دینے سے آدمی اتنا پراسرار نہیں بن جاتا جس قدر تم بننے کی کوشش کر رہے ہو۔'' خان نے بلا جھجک جواب دیا۔

''یہ باتیں فضول ہیں۔'' نامعلوم مرد نے جواب دیا۔ ''گھٹیا قسم کے کم زور مجرموں نے ہی تم جیسے سراغ رساں کے حوصلے اس قدر بڑھا دیے ہیں، ورنہ میرا تو ایک معمولی سا اشارہ تمہیں کسی اور جگہ بھی ختم کر سکتا ہے۔'' اس گردش کرتے ہوئے چکر سے جواب ملا۔

''تو پھر کر دیکھو کچھ۔'' خان نے طنز بھرے لہجے میں کہا۔

''نہیں، آج تو میں نے خود تمہیں یہاں بلوایا ہے۔''

''تم نے بلوایا ہے؟''

''ہاں۔'' اس نے پھر ایک قہقہہ مارا اور پھر کہنے لگا۔ ''تمہیں بے وقوف بنانے کا سب سے آسان طریقہ تمہارے دل میں شبہات پیدا کر دینا ہے اور یہ ایک معمولی سی لڑکی نے کر دکھایا۔

''تمہاری یہ ڈینگیں فضول ہیں۔ اس عمارت کو اس وقت پولیس نے چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے۔'' خان نے اسے دھمکی دی۔

''اول تو جھوٹ ہے، لیکن سچ بھی ہوتا تو تم لوگ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے۔ میں

اس وقت اس عمارت میں نہیں ہوں۔''

''میں تمہیں جہنم سے بھی کھینچ کر لا سکتا ہوں۔''

''بچوں جیسی باتیں نہ کرو۔ میں نے تمہیں صرف دو باتیں کہنے کے لیے بلایا ہے۔''

''کہہ ڈالو۔''

''میں زبردستی کسی سے نہیں الجھتا۔ اور وہ لوگ بھی جن کی موتیں کسی وجہ سے بھی واقع ہوئی ہیں، میرے ہی آدمی تھے۔ یہ میرا اپنا معاملہ ہے اور اس لیے یہی بہتر ہوگا کہ تم میرے راستے میں نہ آؤ، ورنہ راستے میں حائل ہونے والی ہر چیز کو بھی میں ٹھوکر سے ہٹا دیا کرتا ہوں۔ اور یہ میرا بزنس ہے اور تم اس میں ٹانگ نہ گھسیڑو۔'' نامعلوم شخصیت نے ناخوش گوار سے لہجے میں کہا۔

''اور یہ میرا بزنس ہے کہ قانون کے دشمنوں کو ان کی سزا تک پہنچاؤں۔'' خان نے لہجے میں تلخی پیدا کرتے ہوئے جواب دیا۔

''خیر، تم نہیں مانتے تو تمہاری خوشی۔ میں تمہیں اس وقت تک سوچنے کا وقت دیتا ہوں۔ بے شک کہ تمہاری توجہ سے میرے کاموں میں کوئی خاص خلل نہیں پڑتا۔ ویسے مجھے جب بھی تمہیں راستے سے ہٹانے کی ضرورت ہوگی، میں تمہارا فیصلہ کر دوں گا۔'' یہ کہتے کہتے آواز معدوم ہوگئی اور روشن دائرے کی گردش اچانک رک گئی۔ خان چاہتا تھا کہ آگے بڑھے، لیکن دائرے کی گردش کے رکتے ہی اچانک کمرے میں اتنی گہری تاریکی چھا گئی کہ کئی سیکنڈ تک تو اس کی نگاہیں کچھ نہ دیکھ سکیں اور جب اپنی چھوٹی ٹارچ کی مدد سے وہ کچھ دیکھنے کے قابل ہوا تو اسے اس کمرے میں کہیں بھی برقی روشنی کا کوئی سوئچ نظر نہیں آیا اور ٹارچ کی روشنی میں اس عمارت کی تلاشی لے ڈالنے کے باوجود انھیں کوئی متنفس نہ ملا۔ بعض کمرے بند تھے اور بعض کھلے ہوئے، لیکن کوئی آثار ایسے نہ تھے جو کسی سراغ کی طرف اشارہ بھی کر سکتے۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

''لال گاڑی پیارے لال۔''

''یہ کیا بلا ہوئی؟''

''ایک ۲۳ سال کا بچہ ہے جس کی آج چوبیسویں سالگرہ ہے۔''

''اور تمہارا اس میں ہونا ضروری ہے؟''

''اس نے مجھ سے وعدہ لے لیا ہے۔''

''لیکن تم نہیں جاؤ گے۔''

''تو میرے فرشتے جائیں گے۔''

''وہ بھی نہیں جائیں گے۔''

''یعنی کہ اب میرے فرشتے بھی ڈسپلن میں آ گئے؟''

''پروگرام کیا ہے؟''

''کوئی ہائی کلاس ڈانسر بھی بلوائی ہے بیٹے نے۔''

''ایک شرط پر اجازت دے سکتا ہوں۔''

''اس میں بھی شرط، اچھا کہہ ڈالیے۔''

''اپنا حلیہ تبدیل کر لو۔''

''تو پھر کیا بات ہوئی، جانا نہ جانا برابر۔''

''وہاں ایک ایسی شخصیت بھی ہوگی جس کے سامنے تمہارا اصل صورت میں نہ جانا ہی مناسب ہوگا۔''

''آپ کو کیسے معلوم؟''

''میں اپنی آنکھیں اور کان دونوں کھلے رکھتا ہوں۔''

''اور وہ ایسی شخصیت؟''

Akram Allahabadi

''ہز ہائی نس رتن پور۔''

''تو کیا...؟'' بالے نے کہنا چاہا۔

''محض شبہ، لیکن تم اپنی زبان بند رکھو گے۔''

''آپ شاید اس لیے کہہ رہے ہیں کہ ڈاکٹر کو ہز ہائی نس نے اپنی طرف سے ٹرف کلب میں رکھایا تھا؟''

''سوچا تو ٹھیک ہے، لیکن فوراً ہی کوئی نتیجہ اخذ کر لینا حماقت ہے۔''

''میں نے کہاں بھتیجا اخذ کیا ہے۔''

''بکو مت۔''

''رات والے واقع سے آپ کچھ جھنجلا گئے ہیں۔''

''میں ایسے درجنوں پراسرار مجرموں سے نپٹ چکا ہوں، برخوردار، لیکن قانون قانون ہے۔ ہم ایک ضابطے کے تحت کام کرتے ہیں، ڈکٹیٹر نہیں ہیں۔''

''پھر سے لکھوں؟''

''کیا مطلب؟''

''مجھے اپنے ڈکٹیشن ٹیچر کا خیال آ گیا ہے، وہ یہی کہا کرتے تھے۔''

''تمہارے یہ دودھ کے دانت کبھی جھڑیں گے یا میں جھاڑ دوں؟''

''دودھ کے دانت بن ہی نہیں سکتے۔ آپ ثابت ہی کر دیجیے۔''

''میں فضولیات سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔''

''ہائے رے آپ کا موڈ۔''

بالے منہ بنا کر چپ ہو رہا۔ خان نے گاڑی پولیس ہیڈ کوارٹرز کے احاطے میں داخل کر کے آفس کے نیچے روک دی۔ وہ دونوں گاڑی سے نیچے اترے، موجود عملے کا سلیوٹ کا، سر اور ہاتھ کے اشارے سے، جواب دیتے ہوئے اوپر چلے گئے۔

Akram Allahabadi

دفتر میں داخل ہوتے ہی اردلی نے سب سے پہلا پیغام ڈی ایس پی کا پیش کیا۔ ڈپٹی کمشنر مسٹر پنتھ دوبار خان کو طلب کر چکے تھے۔ بالے تو وہیں ایک کرسی پر تھکے ہوئے انداز میں بیٹھ گیا اور خان ڈی ایس پی کے آفس کی طرف چل دیا۔

ڈی ایس پی مسٹر پنتھ شاید اس وقت بھی اس کے منتظر تھے۔ خان کے سلام کا جواب خفیف سی مسکراہٹ سے دیتے ہوئے انھوں نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود اٹھ کر ٹہلنے لگا۔

''فرمایئے؟'' خان نے اپنی نظریں ان کے چہرے پر جما کر پوچھا۔

''خان صاحب، آپ اس وقت کس قدر مصروف ہیں؟'' ڈی ایس پی نے سوال کیا۔

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا؟''

''میں ایک فوری تحقیقات کا کیس آپ کے سپرد کرنا چاہتا ہوں۔''

''لیکن میں تو پہلے تین مرڈر...''

''وہ مجھے معلوم ہے، لیکن یہ تینوں خون ناپسندیدہ اور غنڈہ سوسائٹی کے افراد کے ہوئے ہیں، جنہیں کم از کم اتنی اہمیت تو نہیں دی جا سکتی کہ آپ ان کے لیے اپنا وقت خراب کریں۔ آپ کے اسسٹنٹس بھی تو وہ کام کر سکتے ہیں۔'' ڈی ایس پی نے اس کی طرف گھوم کر پوچھا۔

''دراصل آپ ان کیسز کو ابھی سمجھے نہیں...'' خان نے کہنا چاہا۔

''میں زیادہ ناسمجھ نہیں ہوں۔'' ڈی ایس پی کسی غلط فہمی میں پڑ کر طنز پر آ گیا۔ اور خان اس کی اس تبدیلی کو محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔

''یہ میرا حکم کہ آپ ان کیسز کو اپنے کسی انسپکٹر کے سپرد کر کے اس نئے کیس کو سنبھال لیں جو میں آپ کو دے رہا ہوں۔''

''اور وہ ہزہائی نس رتن پور کا گھوڑا؟''

Akram Allahabadi

''اوہ، وہ بھی اب اتنا اہم نہیں۔ جب خود ہز ہائی نس ڈاکٹر کی موت کے بعد اس کی تفتیش کے اصرار سے دستبردار ہو چکے ہیں۔''

''بہتر ہے۔ آپ کیا چاہتے ہیں؟''

''ایک معزز آدمی کی عزت کا سوال ہے۔''

''کوئی اغوا ہے؟''

''یوں ہی سمجھ لیجیے۔ آپ شاید خان بہادر خواجداد سے واقف ہیں؟''

''جی ہاں۔ یہاں کے بگڑے ہوئے رئیسوں میں ہیں۔''

''ان کی لڑکی اچانک گھر سے غائب ہوگئی ہے اور وہ پریشان ہیں۔ میں نے ان سے وعدہ کرلیا ہے کہ اس کا پتا چلانے کی پوری کوشش کروں گا اور اس طرح کم سے کم لوگوں کو اس بات کا علم ہو سکے گا۔''

''تاکہ خان بہادر کی بدنامی کم سے کم ہو۔'' خان مسکرایا۔

''ہر شریف آدمی اپنی عزت اور نام کو عزیز رکھتا ہے۔ بہرحال میں یہ کیس آپ کے سپرد کر رہا ہوں۔''

''انھوں نے کوئی باقاعدہ رپورٹ تو آپ کو دی ہوگی؟''

''جی۔ یہ اس کی درخواست یا رپورٹ جو بھی سمجھیے وہ خود مجھے دے گئے ہیں تاکہ اس پر کاروائی کی جا سکے، لیکن صیغۂ راز میں۔''

''لڑکی کی تصویر وغیرہ؟'' خان کا لہجہ سوالیہ تھا۔

''کوئی تصویر ان کے پاس نہیں، یہ ایک اتفاق ہے۔''

''بہتر ہے۔ میں کل سے اس سلسلے میں اپنا کام شروع کروں گا۔ ویسے لڑکی اگر بالغ ہوئی تو پولیس کی محنت فضول ہوگی۔''

''اس کی عمر صرف ساڑھے ۱۶ سال کی ہے اور نابالغ لڑکی کا اغوا قانون کے نزدیک

کچھ کم اہم جرم نہیں۔''

''اور کچھ بھی؟'' خان نے پوچھنا چاہا۔

''جی نہیں، لیکن میں چاہوں گا کہ آپ اس معاملے میں خاص طور پر اور فوری دل چسپی لیں، کیوں کہ بعض اوقات ایسے کیسز آگے جا کر مرڈر کیسز بھی بن گئے ہیں۔''

''میں اپنی ذمے داریوں کو سمجھتا ہوں، جناب۔'' خان یہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا اور سلام کر کے باہر نکل گیا۔ لیکن اس وقت اس کے چہرے پر کسی گہرے تردد کے آثار تھے، جیسے وہ کوئی خاص بات سوچ رہا ہو یا جیسے وہ کسی چیز کو سمجھنے کے لیے ذہنی طور پر اپنے آپ سے الجھ رہا ہو۔

بالے اب تک کمرے میں موجود تھا۔ خان نے اسے کچھ بتانے سے پہلے اردلی کو انسپکٹر ڈیسوزا اور انسپکٹر شاہ کو بلانے کے لیے بھیج دیا۔

''کوئی خاص معاملہ تھا کیا؟'' بالے خود ہی پوچھ اٹھا۔

''صرف ایک ساڑھے ۱۶ سالہ لڑکی کا اغوا۔''

''سالا لڑکی کیسے ہو سکتی ہے؟''

''میں کسی وقت تمہارا بھیجا پلپلا کر دوں گا۔'' خان کا موڈ بگڑ گیا۔

''خدا وہ وقت نہ لائے۔'' بالے نے اپنے دونوں کان تھام لیے۔

انسپکٹر ڈیسوزا اور انسپکٹر شاہ فوراً ہی آ پہنچے۔ سلیوٹ کے وقت ان کی ایڑیاں بجنے کی آواز نے بالے کو بھی چونکا دیا۔ اور اس وقت تو وہ حیران رہ گیا جس وقت خان نے رتن چند، قیدی اور ڈاکٹر کے مرڈر کیس ڈیسوزا کے اور ہز ہائی نس کے گھوڑے کا کیس شاہ کے سپرد کر دیا۔

''یہ الٹی گنگا کب سے بہہ رہی ہے؟'' بالے سے نہ رہا گیا۔

''یہ تو ایسے ہی بہے گی۔'' ڈیسوزا اس کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے آہستہ سے بولا۔

''اپنی تقدیر میں لکھنے والے نے اب عیش لکھ دیا ہے۔'' بالے بلا ٹلنے کے خیال سے

خوش ہو کر بولا۔

''شاید۔'' خان مسکرا کر رہ گیا۔

''مگر سمجھ میں نہیں آیا کہ اچانک یہ کیوں سوجھی آپ کو؟''

''ڈپٹی کمشنر کا حکم۔ انھوں نے ایک دوسرا اہم معاملہ ہم لوگوں کے سپرد کر دیا ہے۔''

''دوسرا؟'' بالے نے سوال کیا۔

''ہاں۔'' خان مسکرایا۔

''تو کیا اب آپ ان مرڈر کیسز سے دل چسپی نہ لیں گے؟''

''یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا۔ بہر حال تم اپنے دوست کی سالگرہ کی دعوت میں اب شریک ہو سکتے ہو۔'' خان نے اسے غیر مشروط اجازت دے دی۔

''خدا اس تبدیلی کا ثواب ڈی ایس پی کی روح کو پہنچائے تو میں چلوں؟''

''ہُم، لیکن مجھے اطلاع دیے بغیر کہیں اور نہ کھسک جانا۔''

''میں قبر میں جاتے وقت بھی آپ کو روانگی کا تار دے دوں گا۔'' بالے اٹھ کھڑا ہوا۔ خان کچھ نہ بولا اور اپنے سمجھ میں نہ آنے والے موڈ میں پراسرار خیال سے صرف مسکراتا رہا۔

☆☆☆☆☆☆

اسٹنڈرڈ کلاتھ ملز کا نوجوان مالک، پیارے لال، اپنے دوستوں کے درمیان برات کے دولہا کی طرح اکڑا بیٹھا تھا۔ وہ کافی ہنس مکھ، اوسط قد و قامت کا خوش رو اور سادہ مزاج آدمی تھا۔ عمر ۲۳ سال کے لگ بھگ، لیکن بقول بالے، اس کے بھرے بھرے چہرے پر آج بھی اس قدر بھولا پن برستا تھا کہ وہ اسے ۲۳ سال کا بچہ کہہ کر پکارتا۔

پیارے لال کا بنگلا شہر کے وسطی علاقے میں ایک پرسکون مقام پر شیکھر روڈ کے

کنارے واقع تھا۔یہاں اکثر و بیشتر اس کے دوستوں کے ایک مخصوص حلقے کی نشست رہتی۔ پیارے لال بھی کبھی افسانوی کردار کی طرح ایک انفرادی شخصیت رکھتا تھا اور اس شخصیت کو اس کے غیر سنجیدہ نام پیارے لال نے اور اجاگر کر دیا تھا۔اس کے نام میں ترمیم صرف بالے کی تھی۔کیوں کہ لفظ پیارے ایک عامیانہ مذاق کی طرف زیادہ مائل تھا۔اس لیے اس کے نام کو کارآمد اور کسی قدر خوب صورت بنانے کی جدت کا سہرا بالے نے اپنے سر اوڑھتے ہوئے ایک دن اس کے نام کے ساتھ اس کی سرخ ڈی موٹر کار کو بھی شامل کر دیا اور اس طرح پیارے لال کا پورا نام مسٹر لال گاڑی پیارے لال پڑ گیا۔۔شوکت کے بعد یہ دوسری دل چسپ شخصیت ایک اوسط قد و قامت کے سادہ لوح نوجوان کی تھی جو بالے کے دوستوں میں شامل تھا۔

کمرے میں پیارے لال کے دائیں طرف انسپکٹر رنبیر لاکھا بیٹھا تھا اور دوسری طرف راجن۔سامنے والی نشست پر بڑی بڑی قالینوں کا دبلا پتلا ہنس مکھ بیوپاری کمال اور اس کے ساتھ ایک کبھی بہت کم اور کبھی بہت زیادہ بولنے والا اس حلقے کا سب سے مختصر ڈیل ڈول والا مجید بیٹھا تھا۔چھٹی شخصیت ایک اوسط قد و قامت کے سادہ لوح نوجوان رحیم کی تھی جسے کوئی رحیم بھائی کہتا اور کوئی نمبر ۶۔

چھ دوستوں کو اس گروپ کا لیڈر اگرچہ خود انسپکٹر رنبیر لاکھا تھا، لیکن پولیس کی نوکری میں اسے اس پارٹی کے پروگراموں میں حصہ لینے کا موقع بہت کم ملتا۔وہ خود بی اپنے حلقے کا بہت مصروف پولیس افسر تھا۔سارجنٹ بالے کی شخصیت ان کی سوسائٹی میں بہت محبوب تھی۔ یوں تو بالے اکثر کسی شاعر کے اس شعر کے مصداق:

فرصت کہاں کہ چھیڑ کریں آسمان سے ہم

لیکن جب فرصت ہو جاتی تو لال گاڑی پیارے لال کی شامت آجاتی۔شوکت کی طرح پیارے لال اس کے پیچھے بھی بری طرح پڑتا تھا لیکن شوکت اور پیارے لال میں فرق یہ تھا کہ پیارے لال زندہ دل اور باذاق ہوتے ہوئے بھی بہت شرمیلا واقع ہوا تھا، جب کہ

شوکت اپنی جاگیردارانہ فطرت کے ساتھ کافی بے دھڑک، بل کہ بے غیرت واقع ہوا تھا۔ان کی یہ خصوصیاتِ زندگی اس شعبے سے متعلق تھیں جسے رومان پسندی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ پیارے لال کا یہ شرمیلا پن ہی اس کے لیے کافی مصیبت بن جاتا۔اس حلقے میں تقریباً تمام ہی کاروباری لوگ تھے، لیکن جب وہ آپس میں مل کر بیٹھتے تو ایسا معلوم ہونے لگتا جیسے وہ کسی یونیورسٹی کے خوش مذاق طالب علم ہیں۔

وہ سب ہی نوجوان تھے، سوائے انسپکٹر رنبیر کے، جو شاید ۳۰۔۳۲ سال تک کا ہوگا۔ اور اسی وجہ سے وہ لوگ کبھی مذاق اور کبھی سنجیدگی میں اسے بھائی جان کہتے۔

اس گروپ کے پروگراموں کا لیڈر کمال تھا، جو اپنے دراز قد اور اکہرے بدن کے ساتھ ایک دل چسپ شخصیت کا حامل تھا۔راجن کو ایک وائنڈنگ کے کارخانے کے مالک کی بجائے فلمی ہیرو کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔ہنس مکھ، وجیہ اور خدوخال کا یہ ۲۵ سالہ نوجوان اپنی الگ انفرادی شخصیت کا مالک تھا۔

مختصر یہ کہ اس گروپ میں ہر نمونے کی ایک شخصیت موجود تھی۔ایک سخت اور روٹھے ہوئے چہرے کا پولیس انسپکٹر، ایک ۲۳ سالہ ہنس مکھ تن درست بچہ، ایک ہیرو قسم کا نوجوان، ایک اکہرے بدن کا آزاد خیال قالین والا اور ایک مختصر آنکھوں والا کم سن بیوپاری۔پھر ان کے علاوہ نمبر ۶۔

وہ بے قراری سے کسی کا انتظار کر رہے تھے۔

یہ اب تک نہ آنے والی شخصیت ہز ہائی نس رتن کی تھی، جنہیں خصوصیت کے ساتھ مدعو کیا گیا تھا۔دوسرا شدید انتظار انھیں سارجنٹ بالے کا تھا۔اس کے آجانے سے محفل میں نئی جان پڑ جاتی تھی۔عہدہ میں انسپکٹر رنبیر بھی اس سے بڑا سہی، لیکن وہ اس کا بھی ناک میں دم کر دیتا اور بالے کی شخصیت تو سارے پولیس ڈپارٹمنٹ کے لیے لوہے کا چنا تھا۔پھر رنبیر اس سے کیا الجھتا۔

باہر ہال میں تمام مدعو کردہ مہمان آ چکے تھے اور کوئی تہوار یا جشن، وہ دھوم دھام سے منائیں یا نہ منائیں، لیکن پیارے لال کی سال گرہ ضرور شان دار پیمانے پر منائی جاتی تھی اور اس کا پروگرام سیٹ کرنے میں نمایاں ہاتھ انسپکٹر رنبیر اور کمال کا رہتا۔

''صاحب، بہت دیر ہو چکی ہے۔'' نوکر کی آواز نے ان کو چونکا دیا۔

''ہاں ہاں، اب تو چلنا ہی پڑے گا۔ کیا وہ ڈانسر آ گئی؟'' کمال نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

''جی ہاں۔ وہ آپ کو یاد کر رہی ہیں۔'' نوکر نے کمال کی طرف رخ کر کے کہا۔

وہ سب ہال میں لوٹ آئے۔ باقی مہمان تو پہلے ہی آ چکے تھے اور وہ انھیں رسیو بھی کر چکے تھے، لیکن اس وقت باہر کے کمرے میں بیٹھے ہز ہائی نس رتن پور کی آمد کے منتظر تھے تا کہ انھیں ان کی حیثیت کے مطابق خوش آمدید کہا جائے۔

بمشکل ۳ منٹ ہی گزرے تھے کہ ہز ہائی نس رتن پور کی کار پورٹیکو میں داخل ہوئی۔ دروازے پر موجود رحیم بھائی نے، جنھیں وہ اسی لیے چھوڑ گئے تھے، دوڑ کر انھیں خبر دی، اور وہ سب باہر نکل آئے۔

ادھیڑ عمر کے داڑھی مونچھوں سے صاف چہرے والے سرخ و سفید رنگ کے ہز ہائی نس رتن پور ہنستے ہوئے کار سے اترے اور اس زندہ دل نوجوان کے ساتھ آ گئے۔ ان کی دوستی ریس کے میدان سے شروع ہو کر یہاں تک پہنچی تھی۔

اندر ہال میں انھوں نے جا کر جب مہمانوں سے ان کا تعارف کرایا، تو ایک سابق راجا کی شخصیت سے لوگ جس قدر مرعوب ہو سکتے تھے، اس سے کم ہی ہوئے۔ کیوں کہ ہز ہائی نس سادا لباس اور سادا مزاج آدمی تھے اور وہ چند منٹ میں ہی اس طرح گھل مل گئے جیسے اسی سوسائٹی کے ایک فرد ہوں۔

رنبیر نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی دیکھی اور نفی میں سر ہلا دیا، جس کا مطلب یہ تھا

کہ آپ بالے کی آنے کی توقع نہ کریں۔ چناں چہ پروگرام شروع کر دیا گیا۔ سب سے پہلے تو شمعیں بجھا کر پیارے لال نے کیک کاٹا اور اس کے بعد ہی شراب کے دور کے ساتھ رقص کا پروگرام۔ لیکن نہ جانے کیوں اس رقاصہ پر نظر پڑتے ہی ہزہائی نس کچھ چونک سے پڑے۔ وہ نیتا تھی۔ اس نے ایک گہری نظر ہزہائی نس پر ڈالی پھر مسکراتی ہوئی سامنے آ گئی۔ کمال نے خود ہی اس کا تعارف سب مہمانوں سے کرایا، لیکن نیتا کی نگاہیں تو کسی اور کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ شاید سارجنٹ بالے کو؟

☆☆☆☆☆☆

ہزہائی نس بار بار نیتا کو پلٹ کر دیکھتے جاتے۔ وہ نہ جانے کس فکر میں کھو گئے تھے۔ نیتا نے کچھ دیر تو پیارے لال اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کی، پھر جب کمال نے مہمانوں سے مخاطب ہو کر رقص کے آغاز کا اعلان کیا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ رنبیر کا ایک دوست رتن کمار پیانو پر جا بیٹھا اور ایک نئے رقص کی دھن اسے بتا کر نیتا نے رقص شروع کر دیا۔

وہ ایک مکمل رقاصہ تھی اور اس کا رقص صرف خاص خاص پروگراموں کے لیے ہی ہوتا تھا۔ اس کا معاوضہ بھی اتنا معمولی نہ تھا کہ ہر ایک برداشت کر سکے اور یہ خود اس سارجنٹ بالے کی ہی حرکت تھی جو اس نے اکسا کر پیارے کو اس کا رقص کرانے پر مجبور کیا تھا۔ وہ رقص کرتی رہی اور لوگ دم بخود دیکھتے رہے۔ اس کے باریک لباس میں سے اس کا گورا، سڈول جسم جھانک رہا تھا۔ اور حریص نگاہیں اس تھرکتے مجسمے کے انگ انگ کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اور اگر کسی کو اس رقص سے کم دل چسپی تھی تو وہ انسپکٹر رنبیر تھا۔ وہ ایک بوڑھے مہمان کے پاس جا بیٹھا تھا اور کسی دوسرے موضوع پر اس سے گفتگو کر رہا تھا۔ مجید نے مہمانوں کی مدارات اپنے سر لی تھیں۔ راجن کبھی رقص دیکھتا اور کبھی مجید کی مدد کرنے لگتا۔ مہمانوں کی تعداد تقریباً ۲۵۰ تھی،

جو پورے ہال میں سمائے ہوئے تھے۔کمال، ہز ہائی نس رتن پور کے نزدیک ہی بیٹھا سگریٹ کا دھواں اڑا رہا تھا، لیکن ہز ہائی نس اس وقت بھی نیشا کو غور سے دیکھ رہے تھے۔خدا جانے کیوں رنبیر کی نظریں بھی اس سے غافل نہ رہ سکیں۔جب اپنے بوڑھے ساتھی سے باتیں کرتے کرتے اس نے محسوس کیا کہ نیشا کی نظر جس وقت ہز ہائی نس سے ٹکرا جاتی ہے اس کا رنگ پھیکا پڑ جاتا۔ لیکن آنکھیں اور بھی تھیں جو بڑی مستعدی سے اس صورتِ حال کا مطالعہ کر رہی تھیں۔وہ ایک سیاہ وسفید بالوں والا بنگالی تھا، جس نے آنکھوں پر سیاہ عینک لگا رکھی تھی اور ہال میں مس رنگا کے ساتھ بیٹھا تھا۔

یہ سمجھ کر کہ وہ مس رنگا کے ساتھ آیا ہوا ہے، اس کا کوئی دوست ہوگا، کسی نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی تھی۔

مس رنگا پیارے لال کی پڑوسی تھی، اس لیے انھیں مدعو کر لیا گیا۔لیکن اپنی شرمیلی نظر کی وجہ سے پیارے لال ان سے دور رہتا تھا۔ گہرے بدن کی یہ مدراسی خاتون ایک قریبی گرلز اسکول میں ٹیچر تھی، لیکن جس انداز سے اس وقت وہ بیٹھے تھے، اس سے یہ سمجھنا مشکل تھا کہ وہ ایک دوسرے کے دوست ہی ہوں گے۔بنگالی نوجوان نے جس کے چہرے پر بھوری مونچھیں بھی تھیں، دو تین بار مس رنگا کو مخاطب بھی کیا تھا، لیکن شاید وہ اجنبی لوگوں سے بے تکلف ہو جانے کی عادی نہ تھی، اس لیے ان کی گفتگو آگے نہ بڑھی۔

رقص کے ختم ہوتے ہی ہال تالیوں سے گونج اٹھا اور کچھ دیر بعد یہ شور بھی ختم ہو گیا اور رنبیر کافی اور دوسری کھانے کی چیزیں میزوں پر لگانے لگا۔

رقص ختم کر کے جب نیشا کھلی ہوا لینے کے لیے ہال سے نکل کر برآمدے میں آ گئی تو ہز ہائی نس رتن پور بھی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔کمال اور دوسرے دوست اس وقت پیارے لال کو گھیرے ہوئے تھے۔کسی نے اس طرف توجہ ہی نہ دی۔

برآمدے میں فنس سے ٹک کر کھڑی ہوئی نیشا پشت سے کسی کے قدموں کی چاپ

سن کر چونک پڑی۔ ہزہائی نس رتن پورا سے چبھتی ہوئی نظروں سے گھور رہے تھے۔

''کتوں کو صرف ہڈیاں ہی پسند ہوتی ہیں، شاید؟'' انھوں نے آہستہ مگر بھاری آواز میں کہا، لیکن نیشا نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''تمھیں اس کی سزا ضرور ملے گی۔'' ہزہائی نس نے دانتوں میں نچلا ہونٹ چبا کر کہا اور پھر نا خوش گوار تاثرات لیے ہال کی طرف واپس لوٹ گئے۔ خدا جانے ان الفاظ میں کون سی ایسی دہشت پوشیدہ تھی کہ چند سیکنڈ تک نیشا گم شم کھڑی رہی۔

انسپکٹر رنبیر چیخ کی آواز سنتے ہی اپنی نشست سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ آواز پچھلے برآمدے کی طرف سے آئی تھی، جہاں سے ابھی ایک منٹ قبل ہزہائی نس رتن پور کو واپس آتے کئی آنکھوں نے دیکھ لیا تھا۔ سب سے پہلے انسپکٹر رنبیر ہی برآمدے کی طرف دوڑا۔ اس کے پیچھے کمال، پیارے لال، راجن اور موجودہ دوسرے لوگ بھی، حتا کہ ہزہائی نس رتن پور ان سے علاحدہ نہ تھے۔

وہ فرش پر چت پڑی ہوئی تھی۔ اس کا سر ایک طرف کو ڈھلک گیا تھا۔ آنکھیں کھلی تھیں اور پتلیاں اوپر کی طرف چڑھ گئی تھیں... وہ مر چکی تھی۔

لاش کو قریب سے دیکھنے والوں میں وہ بنگالی آگے آگے تھا۔ اور مسز رنگا تو یہ منظر دیکھنے ہی کانپنے لگی تھی۔

''یہ مر چکی ہے۔'' رنبیر یہ کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ سب سے پہلے اس کی نظر طائرانہ انداز میں لوگوں سے گزرتی ہزہائی نس رتن پور پر آ کر ٹھہری۔ وہ خود بھی ہجوم سے نکل کر قرین آ گئے تھے اور حیرت سے نیشا کی لاش کو دیکھ رہے تھے۔ دوسروں کی نگاہیں بھی ان کے چہرے پر جا پڑیں اور وہ گھبرا گئے۔

''آ... آپ لوگ مجھے کیوں گھور رہے ہیں؟'' ان کے منہ سے اٹکے ہوئے الفاظ نکلے۔

Akram Allahabadi

''مجھے افسوس ہے، یور ہائی نس۔''انسپکٹر رنبیر نے کہا۔''برآمدے میں آپ کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔''

''مگر میں تو...''

''بعض اوقات غصے یا جذبات میں انسان اندھا ہو جاتا ہے۔''

''لیکن میں کچھ نہیں جانتا۔ میں نہیں جانتا اسے کس نے اور کیوں مارا ہے؟''

''اگر نا گوار نہ ہو تو آپ بغیر پولیس کی اجازت کے یہاں سے جانے کی کوشش نہ کریں۔''انسپکٹر رنبیر نے نرم اور شریفانہ لہجے میں کہا۔

''آپ لوگ میری بے عزتی کر رہے ہیں۔''

''قانون اپنا فرض انجام دے رہا ہے، یور ہائی نس۔''

وہ بنگالی اس وقت ہز ہائی نس کے قریب ہی آ کھڑا ہوا تھا۔ کوئی اور پولیس افسر یا پولیس مین یہاں موجود نہ تھا، اس لیے رنبیر نے کمال اور ارجن کو اشارہ کیا کہ وہ نظر رکھیں۔ اور خود پھر اس لاش کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس نے اسے پلٹ کر دیکھا۔ اس کے جسم پر زخم کا کوئی نشان نہ تھا۔

''ہو سکتا ہے کہ یہ کوئی قدرتی موت ہو۔''ہجوم سے ایک بوڑھے آدمی نے کہا۔

''ہو سکنے کو تو ہو سکتا ہے۔''رنبیر بڑبڑایا۔''یہی تو دیکھنا ہے کہ ہے کیا؟''

لیکن لاش کا بغور معائنہ کرنے کے بعد بھی رنبیر کی سمجھ میں نہ آیا کہ یہ پراسرار موت کس ذریعے سے واقع ہوئی ہے۔ وہ سب کچھ صرف ایک منٹ کے وقفے میں ہوا تھا۔ ہز ہائی نس رتن پور برآمدے سے ہٹ کر ہال میں داخل ہوئے ہی تھے کہ نیتا کی چیخ گونج اٹھی۔

اچانک کچھ ایڑیاں بجیں اور بھیڑ چھٹنے لگی۔ آنے والا سپرنٹنڈنٹ خان تھا۔ رنبیر اسے دیکھتے ہی اٹینشن ہو گیا۔ اور خان قریب آ کر اس لاش پر جھک گیا۔ اب وہ بنگالی بھی اس کے قریب آ گیا تھا۔

''موت واقع ہو چکی ہے۔'' رنبیر نے بتایا۔خان کے ساتھ آنے والے کانسٹیبل دور ٹھہر گئے۔

''ہم۔'' خان نے مجمع پر ایک نظر ڈالتے ہوئے کہا۔اسے فوراً پوسٹ مارٹم کے لیے بھیجنا ہوگا تا کہ اس کی موت کے صحیح اسباب معلوم ہو سکیں۔''

''جناب، یہ موت قدرتی نہیں ہو سکتی، کیوں کہ ہم لوگوں نے مرنے والی کی چیخ سنی تھی اور اسی وقت ہز ہائی نس رتن پور برآمدے سے لوٹے تھے۔'' یہ الفاظ اس بنگالی کے تھے جو اس وقت سپرنٹنڈنٹ خان کے قریب آ کھڑا ہوا تھا۔

''یہ معلوم کرنا پولیس کا کام ہے۔'' خان نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔پھر وہ انسپکٹر رنبیر کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔''لاش پوسٹ مارٹم تھیٹر جائے گی۔آپ ان کانسٹیبلوں سے اٹھوا کر اسے باہر کھڑی ہوئی اسٹاف کار میں رکھوا دیجیے۔اور ہاں دیکھیے کہ پوسٹ مارٹم ہو جانے اور ٹیلی فون پر میری ہدایات آنے تک آپ یہاں موجود کسی آدمی کو باہر کھسکنے نہ دیجیے گا۔'' خان نے اسے حکم دیا۔

''لیکن، جناب، ہم میں سے بعض کو ضروری کام ہوں گے۔کم از کم مجھے تو ضروری کام سے جانا ہے۔'' ایک آدمی نے خان کو ٹوک دیا۔

''مجھے افسوس ہے کہ اتنی دیر سب کو ہی ٹھہرنا ہوگا ویسے میں آپ لوگوں کو جلد از جلد فارغ کر دوں گا۔'' خان نے وعدہ کیا۔

نیتا کی لاش اٹھوا دی گئی اور خان اسے اپنے ساتھ اسٹاف کار میں لے کر چل دیا۔ادھر پیارے لال کا بنگلا اچھا خاصا کنسٹریشن کیمپ بن گیا۔باہر خان کی ہدایت پر فوراً ہی پولیس کا پہرہ چاروں طرف لگ گیا۔یہ پولیس فون کے ذریعے علاقے کے انچارج انسپکٹر رنبیر لاکھا نے اسی وقت بلوائی تھی۔

غرض ہال میں اس وقت شہرِ خموشاں جیسا سناٹا چھایا تھا۔لوگ اپنی اپنی جگہوں پر

چپ چاپ بیٹھے اس بارے میں سوچ رہے تھے۔ ہز ہائی نس رتن پور رنبیر کے پاس ہی بیٹھے تھے اور رنبیر ان کو سمجھا رہا تھا کہ قانون کسی کے ساتھ نا انصافی نہیں کرے گا۔ پورا کمال گروپ سناٹے میں تھا۔ خصوصاً پیارے لال کا رنگ ابھی تک اڑا ہوا تھا، کیوں کہ یہ پراسرار موت اس کے بنگلے میں واقع ہوئی تھی۔ وہ بے قراری سے پوسٹ مارٹم یا سپرنٹنڈنٹ خان کی دوسری ہدایات کا انتظار کر رہے تھے۔ اور وہ بنگالی اب ایک کونے میں خالی میز پر جا بیٹھا تھا۔ اس کے انداز سے اب بھی گو بے تعلقی کا اظہار ہو رہا تھا، لیکن بار بار وہ کسی بہانے چاروں طرف ایک نظر دوڑا لیتا۔

ہز ہائی نس رتن پور کا ڈرائیور باہر موجود تھا، لیکن اسے اب بھی پولیس نے نگرانی میں لے لیا تھا۔ وہ سب اس طرح گم سم بیٹھے تھے، جیسے ابھی کوئی اور غیر متوقع بات ہونے والی ہے۔

تقریباً ایک گھنٹے کے بعد خان کا فون آیا۔ یہ اطلاع پہلے سے زیادہ عجیب تھی۔ نیشا مری نہیں تھی، اسپتال میں اسے گیس پر رکھ کر حرکتِ قلب بحال کر لی گئی تھی، لیکن ابھی تک وہ ہوش میں نہیں آئی تھی۔ ہال میں چشمِ دید گواہ صرف ہز ہائی نس رتن پور کو ہی برآمدے میں نیشا کے ساتھ جاتے اور اکیلے واپس آتے دیکھ چکے تھے۔

معاملات کافی پراسرار نوعیت اختیار کر رہے تھے۔ ویسے قانون کے نزدیک شبے کا تمام تر ہز ہائی نس رتن پور کے خلاف تھا، لیکن ایک معزز ہستی پر محض شبے کی بنا پر قانون کوئی سختی نہیں کر سکتا۔ خان نے انسپکٹر رنبیر کو ہدایت کر دی کہ ہز ہائی نس کو جانے کی ہدایت کر دی جائے۔ لیکن اس دور میں سراغ رساں کی نگاہیں حالات کے کسی امکانی پہلو سے غافل نہ تھیں، یہ اور بات تھی کہ بعض معاملات میں اس کے اقدامات دوسروں کے لیے ناقابلِ فہم ہوتے۔ مثلاً یہی کہ نیشا کے ہوش میں آنے سے قبل ہی اس نے ہز ہائی نس کو جانے کی اجازت دے دی۔ ہز ہائی نس رتن پور کا موڈ اتنا بگڑ چکا تھا کہ میزبان پیارے لال سے رخصت لینا بھی انھوں نے ضروری نہیں سمجھا۔ وہ گاڑی میں بیٹھ کر اسی وقت چل دیے۔

Akram Allahabadi

ان کے جاتے ہی وہ بنگالی بھی جواب تک مسز رنگا کے ساتھ تھا، ہال سے باہر نکل آیا۔باہر کانسٹیبلوں کے علاوہ انسپکٹر سانے بھی تھا،اس نے اس کا راستہ روک لیا۔

''یہ کیا وحشت ہے؟'' بنگالی اسے گھورتا ہوا بولا۔

''ابھی باہر جانے کی اجازت نہیں ہوئی۔''

''اجابت نہیں ہوئی تو کسی حکیم سے رجوع کیجیے۔'' بنگالی نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

''اے مسٹر،آپ ایک پولیس آفیسر سے باتیں کر رہے ہیں۔''

''باپ رے،آپ پولیس آفیسر ہیں؟اچھا تو میں ڈر گیا۔''

لیکن اس سے پہلے کہ سانے کے دماغ کا پارہ اور چڑھے بنگالی نے جیب سے نہ جانے کیا چیز نکال کر اسے دی کہ وہ ہنس دیا۔

''بہت خطرناک آدمی ہو،یار۔'' وہ راستے سے ہٹ کر بولا۔

''پھر سمجھوں گا،ابھی جلدی ہے۔'' بنگالی یہ کہتا ہوا آگے بڑھ گیا۔سڑک پر ٹیکسی موجود تھی اور خالی تھی۔اس نے ٹیکسی میں بیٹھتے ہی ہز ہائی نس کی کار کے تعاقب کی ہدایت کی اور خود سگریٹ جلانے لگا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

ایک عورت

کچھ دیر بعد ہی سول اسپتال سے خان کا دوسرا فون آ گیا اور انسپکٹر رنبیر نے روکے ہوئے مہمانوں کو جانے کی اجازت دے دی۔ اب صرف رنبیر، پیارے لال اور ان کے دوست رہ گئے۔ انسپکٹر رنبیر کے لیے یہ چیز بار بار احساس ہو رہی تھی کہ اس کے حلقے میں اس کے دوست کے گھر میں اس کی موجودگی میں یہ سب کچھ ہو گیا اور وہ کچھ بھی نہ کر سکا۔ یہ اور بات تھی کہ سپرنٹنڈنٹ خان بھی ایسے وقت آ پہنچا، لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ خان کو خبر کس نے کی اور اتنی جلدی آ کیسے پہنچا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اس سلسلے میں وہ بھی کچھ کرے ورنہ اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ وہ پیارے لال کی لال گاڑی لے کر چل پڑا۔ پیارے لال بھی اس کے ساتھ ہی ہو لیا۔ اس کا خیال تھا کہ سپرنٹنڈنٹ خان اس کے بارے میں کوئی اچھی رائے نہ قائم کرے گا، اگر اس نے کچھ نہ کیا۔ کچھ دیر تک تو دونوں نے کوئی گفتگو نہ کی، لیکن پیارے لال جاننا چاہتا تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔ چند سڑکوں سے گاڑی گزارنے کے بعد اس نے سرخ کار ایک سونی سڑک کے کنارے ایک چار منزلہ عمارت کے دروازے کے سامنے روک دی اور گاڑی سے اتر گیا۔

''میں بھی آؤں نا؟'' پیارے لال نے پوچھا۔

''جی چاہے تو آؤ، ویسے یہ بڑی بدنام جگہ ہے۔''

''بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا۔'' پیارے لال یہ کہتا ہوا گاڑی سے اتر آیا کہ اسے کہاں رکنا ہے۔ اس نے فلیٹ نمبر ۲ کے دروازے پر رک کر گھنٹی بجانی شروع کی۔ کال بیل سنتے ہی اندر سے کسی نے دروازہ کھول دیا۔ وہ ایک خوب صورت قسم کی نوجوان لڑکی تھی، جس کے گورے چہرے پر نیم سنہری بال بے ترتیبی سے بکھرے ہوئے تھے۔ انسپکٹر رنبیر کو دیکھ کر وہ

تاجرانہ انداز میں مسکرائی۔

''اندر آیئے گا؟'' اس نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ اور رنبیر مع پیارے لال اندر داخل ہو گیا۔ ایک دالان نما حصے کو طے کر کے وہ ایک آراستہ کمرے سے گزرتے ہوئے ایک ایسے کمرے میں داخل ہو گئے، جس کے فرش پر ایرانی قالین کے دونوں سروں پر دو صوفہ سیٹ لگے ہوئے تھے اور ایک جھولے دار آرام کرسی پر ایک ادھیڑ عمر کی گورے رنگ کی عورت نیم دراز بیٹھی ریڈیو پروگرام کے گانے سن رہی تھی۔ رنبیر کو دیکھتے ہی جیسے اس نے پہچان لیا۔

''ہیلو، انسپکٹر۔'' وہ مسکرا کر بولی۔ ساتھ ہی اس کی نظریں پیارے لال کے چہرے پر جم گئیں۔ وہ بڑی چالاک اور بے دھڑک قسم کی عورت معلوم ہوتی تھی۔ چہرے کے نقوش بتا رہے تھے کہ کسی وقت وہ قیامت رہی ہوگی۔ ویسے خدوخال اب بھی اتنے پرکشش تھے کہ اگر وہ رات میں میک اپ کر کے کہیں نکل پڑتی تو چند قدم کے فاصلے سے دیکھنے والے اسے دیکھ کر ایک آدھ ٹھنڈی سانس ضرور کھینچ لیتے۔

''یہ... دوسرے کون ہیں؟'' اس نے پیارے لال کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھ کر کہا۔

''بچہ ہی سمجھ لیجیے اپنا۔'' رنبیر نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

''بچہ، ہونہہ۔ دودھ کی بو بھی آتی ہوگی منہ سے۔'' وہ برا سا منہ بنا کر بولی اور جھینپ کی وجہ سے پیارے لال کا برا حال ہو گیا۔ اس کا چہرہ سرخ ہوتا دیکھ کر وہ قہقہہ مار کر ہنس پڑی۔ اس کا قہقہہ کھنکتا ہوا اور خوف ناک قسم کا تھا۔

''میں آپ سے کچھ مدد لینے آیا ہوں۔''

''مدد، قانون کے محافظ، اور مدد؟ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ میں...''

''دنیا کے تمام کام ایک دوسرے کی مدد سے ہی چلتے ہیں۔''

''خیر، میں کیا خدمت کر سکتی ہوں؟'' اس نے تپائی پر ریڈیو کے قریب رکھے ہوئے

سگریٹ کیس سے سگریٹ نکال کر ایک اپنے ہونٹوں میں دباتے ہوئے اور کیس مہمانوں کو پیش کرتے ہوئے کہا۔

''آپ نیشا کو جانتی ہوں گی؟''

''نیشا...؟ اوہ..، وہ ڈانسر، ہاں۔ میری ہم پیشہ عورت ہے، مگر بڑی کمینی۔'' وہ نا خوش گوار سا موڈ پیدا کرتے ہوئے بولی۔

''لیکن وہ موت کے منہ میں پہنچ چکی ہے۔'' انسپکٹر رنبیر نے کہا۔

''کیا مطلب؟ کیا کسی نے مار ڈالا... یا...؟''

''یوں ہی سمجھ لو۔''

''میں جانتی تھی کہ ایک نہ ایک دن ایسا ہوگا۔ مجھے اس کی سوسائٹی بالکل پسند نہ تھی۔ جمشید بہت برا آدمی ہے۔''

''کون جمشید؟''

''آپ نہیں جانتے؟ تعجب ہے، اس سور سے کون واقف نہیں۔ وہ ہر ناجائز طریقے سے دولت کماتا ہے، کمینہ۔ پہلے مجھے اپنا آلۂ کار بنانا چاہا تھا اس نے، لیکن میں نے تھوک دیا اس کے منہ پر۔''

''میں اس سے واقف نہیں ہوں، لیکن اگر معلوم ہو جائے تو شاید کچھ کام آ سکے۔''

''وہ آپ کو ریس کے میدان سے ملے گا۔ نیشا اس کے لیے ریس کورس سے موٹے مرغے پھانس کر لاتی تھی۔''

''اس کا پتا تو معلوم ہوگا آپ کو؟''

''اس کا کوئی پتا نہیں، شیطان کی طرح جہاں چاہتا ہے جاتا ہے، لیکن ریس کورس اس کا ٹھیک پتا ہے۔''

''کم از کم اس کا حلیہ؟''

Akram Allahabadi

''اوسط جسامت کا آدمی ہے، نہ بہت موٹا نہ دبلا، لباس سے کوئی فلم ایکٹر معلوم ہوتا ہے، لیکن صرف ریس کورس میں۔ ویسے وہ بہت خوف ناک آدمی ہے۔'' ادھیڑ عمر کی عورت نے بتایا۔ اور پھر سگریٹ کا ایک لمبا کش لے کر پیارے لال کو گھورنے لگی۔ پیارے لال نے جھینپ کر منہ پھیر لیا۔

''آپ کا ساتھی عورت بے زار معلوم ہوتا ہے۔'' وہ بے دھڑک پیارے لال پر ریمارک کس بیٹھی۔

''یہ ذرا شرمیلے واقع ہوئے ہیں۔'' رنبیر نے اسے سمجھایا۔

اور وہ بے باکی سے بولی۔ ''ضرور کنوارے ہوں گے۔ میرے پاس ایک ہفتہ چھوڑ دیجیے، اس کارخانے سے مرد بن کر نکلیں گے۔''

''مجھے تو معاف ہی رکھیے۔'' پیارے لال جل کر بول ہی اٹھا۔ جس پر انسپکٹر نے اس کا ہاتھ دبا کر اسے ضبط سے کام لینے کا اشارہ کیا اور اس نے منہ پھلا کر رخ دوسری طرف پھیر لیا۔

''سب شروع میں ایسا ہی کہتے ہیں۔'' وہ ڈھیٹ پن سے بولی۔

''خیر، اب چلتے ہیں، پھر ملیں گے۔'' انسپکٹر رنبیر نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''اکیلے یا یہ بھی؟'' اس نے جذبات سے بھرپور نظریں پیارے لال پر ڈالیں اور پیارے لال سٹ پٹا گیا۔ اس کی کیفیت اس وقت ایسی تھی جیسے کسی بھیڑنی کے مقابلے پر ایک بکری کا بچہ۔ رنبیر نے چائے وغیرہ بھی نہ پی۔ اسے جلدی تھی۔ وہ اس سے رخصت لے کر باہر نکل گیا۔

''یہ عورت ہے یا تاڑکا؟'' پیارے لال نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے رنبیر سے کہا۔

''دونوں۔'' رنبیر نے مسکرا کر کہا۔

''اگر دو چار اور ایسی عورتوں سے ملنا ہو تو مجھے تو یہیں گاڑی سے اتار دیجیے، میں

ٹیکسی میں چلا جاؤں گا۔"

"نہیں، اب ہم خاں صاحب کے پاس چل رہے ہیں۔" رنبیر ہنس کر بولا۔ اور پیارے لال کچھ سوچتے ہوئے خاموش ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆

"ہیلو...، سارجنٹ بوا لے، بولو تو، بچے۔"

"اتنی دیر سے کہاں مر گئے تھی؟" خان نے رسیور پر بگڑتے ہوئے کہا۔

"ایویو...، مر گیا ہوتا تو بولتا کیسا جی۔"

"بکومت، کیا رپورٹ ہے؟"

"کسی رپورٹر سے پوچھ کر بتاؤں گا، ویسے ہز ہائی نس بہت پریشان ہیں۔ گھر پہنچ کر ان کے نام کسی کا فون آیا تھا۔ اس کے بعد سے ہی ان کی ہوا بگڑی ہوئی ہے۔ کوئی ان سے آج رات کو ۹ بجے ملنے آئے گا۔"

"یہ سب تمہیں کیسے معلوم ہو گیا؟"

"میں آپ کی ہدایت کے مطابق پیچھے گیا۔ میں نے خود کو پریس رپورٹ ظاہر کر کے اندر تک رسائی بھی حاصل کر لی۔ اور فون کی گفتگو تو میں نے اس وقت سنی جب وہ باتیں کرتے کرتے فون کی اطلاع پا کر دوسرے کمرے میں چلے گئے تھے۔"

"آثار کیا ہیں؟"

"یہ تو شاید رات کے ۹ بجے کے بعد ہی صحیح طور پر معلوم ہو سکے گا۔"

"رات کے ۹ بجے، خیر، تم مجھے ابھی ونسنٹ اسکوائر پر ملو۔"

"اور یہ معاملہ؟"

"وہ رات کے ۹ بجے، ابھی میں رؤف اور ابراہیم کو نگرانی کے لیے بھیج دیتا ہوں۔"

Akram Allahabadi

خان نے کہا۔

''میں تو ونسنٹ صاحب کے اوپر آجاؤں؟''

''پھر بکواس۔''

''اسکوائر کے معنی تو یہی ہوا کرتے ہیں۔''

''جلدی آؤ، میں دس منٹ میں یہاں سے روانہ ہوتا ہوں۔''

''بھالو آشو۔'' یہ کہہ کر بالے نے سلسلۂ گفتگو منقطع کر دیا۔خان نے اسی وقت اردلی کو رؤف اور ابراہیم کو بلانے کے لیے بھیج دیا۔وہ دونوں نیچے موجود تھے،فوراً ہی آپہنچے۔

''اس پتے پر پہنچ کر اندر اور باہر ہز ہائی نس رتن پور کی قیام گاہ پر نگرانی رکھو۔'' خان نے حکم دیا۔

''بہتر ہے۔'' رؤف نے کہا۔

''کوئی خاص بات ہو تو کنٹرول کے ذریعے فوراً اطلاع دینا۔'' خان نے ہدایت کی۔ابراہیم اور رؤف سلام کر کے باہر نکل گئے۔

ونسنٹ اسکوائر پر بالے نے اپنے حلیے میں ململ کا ڈھیلا کرتا اور سفید دھوتی پہنے موجود تھا،لیکن وہ اکیلا نہیں تھا۔ایک جوان لڑکی بھی اس کے ساتھ کھڑی باتیں کر رہی تھی۔خان کی گاڑی دیکھتے ہی وہ ایسا ان جان بن گیا جیسے کچھ دیکھا ہی نہ ہو۔خان نے گاڑی آگے بڑھا کر روکی اور اس کا انتظار کرنے لگا،مگر وہ اپنی جگہ ہی کھڑا اس لڑکی سے باتیں کرتا رہا،مجبوراً خان کو گاڑی بیک کرنی پڑی۔بالے اس لڑکی کو اشارے سے کچھ بتانے لگا۔

''او گدھے۔'' خان نے جھنجلاہٹ میں اسے پکارا۔

''کہاں؟'' وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا۔''کہاں سے آیا؟''

''دراصل یہ ڈرائیور میرے باپ کے برابر ہے۔'' بالے اس لڑکی سے آہستہ سے کہہ رہا تھا۔

''اور تمہیں گود میں بھی کھلایا بھی ہے۔'' خان نے لقمہ دیا۔ وہ لڑکی جو اجنبی معلوم ہوتی تھی، خان کی طرف پلٹ کر دیکھنے لگی۔ بالے نے اس سے اجازت طلب کی اور خان کی کار میں اگلی نشست پر آ بیٹھا۔ خان نے تیزی سے گاڑی آگے بڑھا دی۔

''کون تھی؟'' خان نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

''ایک لڑکی۔''

''کون تھی وہ؟'' خان نے اس بار ڈانٹنے والے انداز میں پوچھا۔

''ایک لڑکی۔'' بالے نے چہرہ پہلے سے زیادہ معصوم بنا کر کہا۔

''شامت آ رہی ہے کیا؟''

''میں سچ کہہ رہا ہوں۔''

''تم جانتے ہو اسے؟'' خان نے دوسرا سوال کیا۔

['وہ مجھے ونسنٹ اسکوائر پر کھڑے ہو کر ونسنٹ اسکوائر کا پتا پوچھ رہی تھی۔ میں نے کہہ دیا کہ چودہ میل شمال میں واقع ہے۔''

''کتنی دیر سے تھی وہ تمہارے ساتھ؟''

''میرے آنے کے ایک منٹ بعد ہی آئی تھی۔ کیوں؟''

''کچھ نہیں، کیا تم نے پہلے بھی اسے کہیں دیکھا ہے؟''

''قسم لے لیجیے، جو دیکھا ہو۔''

''اور تم اتنے احمق تھے کہ اسے ساتھ لیے کھڑے رہے۔''

''وہ تو کوئی بے چاری غریب لڑکی تھی۔''

''کیا کہنے ہیں اس خدا ترسی کے۔'' یہ کہہ کر خان نے گاڑی روک لی اور اسے بیک کر کے پھر ونسنٹ اسکوائر کی طرف چل پڑا۔

''اور یہ الٹی گنگا کیوں بہنے لگی؟''

Akram Allahabadi

''تمہاری عقل مندی کی وجہ سے۔اس لڑکی کو ڈھونڈ تے چلو۔''

''تو کیا وہ بھی؟ مگر یہ کیسے ہوسکتا ہے؟''

''یہ اسی طرح ہوسکتا ہے جس طرح تم ہز ہائی نس رتن پور کے پیچھے لگے تھے۔''

''باپ رے، تب تو دے گئی جُل۔''

خان کا شبہ صحیح نکلا۔اس لڑکی کا دور دور تک پتا نہ چلا۔وہ ضرور کسی دوسری کار یا ٹیکسی وغیرہ میں بیٹھ کر نکل گئی تھی۔یا پھر کسی ایسی جگہ روپوش ہوگئی تھی جہاں اسے ڈھونڈ نکالنا مشکل ہو۔آس پاس کے لوگوں سے بھی ایک ایسی لڑکی کے بارے میں پوچھا گیا، جس پر صرف ایک ہاکر یہ بتا سکا کہ اس لڑکی کو جو بنگالی بابو کے ساتھ چوراہے پر کھڑی ہوئی تھی، اس نے سامنے والے رضا ریسٹورنٹ میں جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ریسٹورنٹ میں تو وہ بہر حال نہیں تھی، لیکن کاونٹر پر موجود آدمی نے اتنی تصدیق ضرور کردی کہ چند منٹ قبل ایک ایسی لڑکی یہاں فون کرنے آئی تھی۔دوسری بات جو اس نے بتائی، وہ دوسروں کے لیے چاہے کسی بھی اہمیت کی حامل نہ ہو، لیکن خان اسے سن کر چونک پڑا۔کاونٹر والے نے ذہن پر زور دے کر انھیں بتایا کہ مجھے اچھی طرح یاد آرہا ہے کہ اس لڑکی نے کوئی ایک ہی نمبر ڈائل میں تین بار گھمایا تھا، کیوں کہ اس کی انگلی ایک ہی خانے میں پھنس رہی تھی۔

''تین بار؟ ایک ہی نمبر؟'' خان بڑبڑایا۔''پانچ، پانچ، پانچ۔''

اور بالے حیرت سے اس کی شکل دیکھنے لگا۔دوسرے کچھ بھی نہ سمجھ سکے اور جب خان ریسٹورنٹ سے باہر نکلا تو بالے سنجیدگی سے سوچ رہا تھا کہ واقعی اس سے ایک حماقت ہوچکی ہے۔

''تم نے ہاتھ آیا ہوا موقع کھو دیا، بالے۔'' خان نے نرم لہجے میں بالے سے کہا۔

''اس کا تو مجھے بھی افسوس ہے، لیکن میں اس لڑکی کو کہیں نہ کہیں سے ڈھونڈ نکال لوں گا۔'' بالے نے یقین دلایا۔

''یہ کام اتنا آسان نہیں، جتنا سمجھ رہے ہو۔ ہمارے مقابلے میں ایک نہایت ہی عیار اور نامعلوم شخصیت ہے اور وہ اتنی غافل نہ ہوگی کہ ہمارے لیے اپنی کسی حرکت کے ثبوت چھوڑ جائے۔''

''پر اب؟''

''اب ہم ایک ایسی جگہ چل رہے ہیں جہاں ان باتوں کا ذکر کیا، اشارہ تک نہ آنے پائے۔ وہ دوسرا ہی کیس ہے۔'' خان نے سمجھایا۔ بالے کچھ دیر کے لیے سوچ میں پڑ کر خاموش ہو گیا اور گاڑی دوڑتی رہی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

خان بہادر

خان بہادر چہرے پر بہت سی اداسی لیے سامنے بیٹھے تھے اور خان کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ بالے لاپرواہی سے چیونگ گم چبا رہا تھا۔ اس کے نزدیک خان بہادر کی ۱۷ سال کی لڑکی کا اغوا کوئی دل چسپ پہلو نہیں رکھتا تھا کہ خان بہادر کو دو چار درجن نصیحتیں آئندہ نسلوں کے لیے کر ڈالے، لیکن خان بڑی توجہ سے خان بہادر سے مصروفِ گفتگو تھا، اس لیے اس نے بولنا مناسب نہ سمجھا۔

''ہوسکتا ہے کہ لڑکی اپنی مرضی سے کسی کے ساتھ گئی ہو؟'' خان نے رائے دی۔

''اگر ایسا بھی ہے تب بھی وہ کم سن اور ناسمجھ ہے۔ سپرنٹنڈنٹ صاحب، خدا کے لیے کسی طرح اس کا پتا لگا دیجیے، ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔ میری ایک ہی اولاد تھی۔''

''آپ کے بارے میں ڈی سی پی صاحب بھی مجھ سے کہہ چکے ہیں۔ آپ یقین رکھیے، میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھوں گا۔ ویسے اس کی کوئی تصویر ہو تو؟''

''یہ اتفاق ہے کہ اس کی کوئی تصویر مجھے نہیں مل رہی۔ ویسے اس کا حلیہ بتا چکا ہوں کہ اکہرے بدن کی، گورے رنگ اور اوسط قد و قامت کی لڑکی ہے۔ ناک پتلی، آنکھیں بڑی اور چہرہ بھرا ہوا ہے۔''

''خیر، اب اجازت دیجیے، میں اپنی پوری توجہ اسی کام پر صرف کروں گا۔''

خان اٹھ کھڑا ہوا۔ بالے نے بھی ایک طائرانہ نظر کمرے پر ڈالی، پھر خان بہادر کو گہری نظر سے دیکھتا ہوا خان کے پیچھے باہر نکل آیا۔

''یہ آدمی مجھے اتنا اداس نہیں معلوم ہوتا، جس قدر جتانے کی کوشش کر رہا ہے۔'' بالے نے باہر آ کر خان سے کہا۔

Akram Allahabadi

''ہاں۔ میں دیکھ چکا ہوں، لیکن تم ایک کام کرو۔'' خان نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بالے سے آہستہ سے کہا۔

''آپ تو اس طرح سرگوشی کر رہے ہیں، جیسے کہیں ڈاکا ڈالنا ہے۔''

''یوں ہی سمجھ لو۔ وہ جو ٹیلی فون وائر کا کنیکشن ہے نا، یہ لو انسولیٹڈ کٹر اور اسے بینڈ کے نیچے اس طرح کاٹو کہ کسی کو اس کا شبہ بھی نہ ہو۔'' خان نے اسے ہدایت کی۔ اور یہ باریک تار ان میں جوڑ دو۔'' جیب سے تاروں کا ایک گچھا نکال کر خان نے بالے کو تھما دیا۔

یہاں آس پاس سناٹا تھا، اس لیے بالے کو کوئی دقت نہ پیش آئی۔ خان نے ان تاروں کا دوسرا جڑا ہوا سرا، جو ایک چھوٹے سے رسیونگ بکس میں نصب تھا، کار کی اگلی سیٹ پر رکھ دیا اور خود کار میں بیٹھ گیا۔ بالے ایک منٹ میں واپس آ گیا۔

خان نے بکس کا ڈکیشن ہول کان سے لگا لیا اور بالے کو خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے کچھ سننے کی کوشش کرنے لگا۔ تقریباً دس منٹ تک تو بالکل سناٹا رہا اور وہ اسی طرح بیٹھے رہے، پھر اچانک بکس میں ٹیلی فون کال کی بزنگ سنائی دینے لگی۔

جس طرح ڈائل کر رنگ کرتے وقت نمبروں کے اعداد سے جو ٹیلی گرافک سسٹم پر کٹ کٹ کی آواز ہوتی ہے وہ تین بار سنائی دی تھی اور ہر رنگ پر یہ کٹ کٹ پانچ مرتبہ سنائی دی تھی۔ خان فوراً چونک پڑا اور بالے دلچسپ نظروں سے اس کی شکل دیکھنے لگا۔

''کیا بات ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''۵۵۵۔'' خان مسکرایا۔

''پکڑ لوں جا کر اس خان بہادر کو؟''

''بے وقوفی ہوگی۔ ہمیں تو وہ مسٹر ۵۵۵ چاہیے جو خود کو کسی ناقابلِ تسخیر طلسم میں محفوظ سمجھ رہا ہے۔''

''کیا آپ اسکے وجود سے واقف ہو گئے ہیں؟'' بالے نے پوچھا۔

جس کے جواب میں خان نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ بکس کے ہول سے وہ اس کی آواز صاف سن رہا تھا۔ خان بہادر کہہ رہا تھا۔

''اس نے وعدہ کیا ہے کہ وہ پوری توجہ اس کام پر صرف کر دے گا۔''

''مجھے بھی خبر ملی ہے کہ اس نے باقی کیس اپنے اسسٹنٹس کے سپرد کر دیے ہیں۔''

دوسری طرف سے ایک بھاری سی آواز سنائی دی اور خان کو فوراً یاد آ گیا کہ اس رات چکر کھاتے ہوئے روشنی کے دائرے سے بھی اس نے یہی آواز سنی تھی۔ وہ یقیناً ۵۵۵ تھا۔

''اس کو روزا یک نہ ایک فرضی خبر اس سلسلے میں پہنچا کر الجھا کر رکھو، میں تب تک اپنا کام ختم کر لوں گا۔'' ۵۵۵ کی آواز سنائی دی۔

''بہتر ہے۔ ویسے مجھے اس معاملے کا کمیشن ابھی تک نہیں ملا ہے۔'' خان بہادر نے کہا۔

''کمیشن؟ ہاں، ضرور۔ کل رات ساڑھے ۱۰ بجے مجھے آ کر ملو۔'' اتنا کہنے کے بعد ادھر سے سلسلۂ کلام منقطع کر دیا گیا۔ اور خان بہادر نے بھی فون رکھ دیا۔ خان نے اس کے فوراً بعد ہی بالے کو بھیج کر ٹیلی فون لائن درست کرا دی اور ان کی گاڑی پھر آگے رینگنے لگی۔

☆☆☆☆☆☆

''اس بار معاملات کافی منتشر اور غیر مرطوب سے نظر آ رہے ہیں۔'' بالے نے کار میں سلسلۂ گفتگو چھیڑ دیا۔

''بظاہر تو ایسا ہی معلوم ہو رہا ہے، لیکن ہز ہائی نس رتن پور کے گھوڑے والے معاملے سے اب تک سارا سلسلہ اگر غور سے دیکھا جائے تو ایک ہی ہے، لیکن تم نے غور نہیں کیا ہو گا۔''

''میں راس کماری سے پٹھان کوٹ تک غور کر چکا ہوں، لیکن کبھی تو یہ ریس والوں کا

معاملہ معلوم ہونے لگتا ہے، کبھی بلیک میلنگ کا اور کبھی لونڈیا وونڈیا کا۔"

"پہلا خیال زیادہ صحیح ہے۔ ویسے اس وقت بھی ہم کسی آخری نتیجے پر نہیں پہنچ سکے ہیں۔"

"آخر اب تک کس نتیجے پر پہنچے ہیں آپ؟"

"یہی کہ کوئی ایسا آدمی جسے ریس کے خاص خاص گھوڑوں اور ان کی ہار جیت سے دل چسپی ہو، خاص خاص گھوڑوں کا مالک بھی ہو سکتا ہے۔"

"میں سب کو جانتا ہوں، صرف ہز ہائی نس رتن پور کا شبہ تھا، لیکن اس کا بھی فیصلہ آج ہی ہو جائے گا۔"

"تو پھر ٹرف کلب کا کوئی؟"

"ان کی ذمے داری سے ان معاملات کا کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔"

"تو کوئی بکی؟"

"تم نے جمشید کا نام سنا ہے؟"

"جمشید، بکی؟ اوہ، ہاں، لیکن سنا ہے کہ اس کے اس لمبے چوڑے ناجائز کاروبار کے باوجود اسے کوئی نہیں جانتا، سارا کام اس کے آدمی کرتے ہیں۔"

"اور مجھے انسپکٹر رنبیر نے کل رپورٹ دی ہے کہ وہ نیشا کو استعمال کر رہا تھا۔"

"نیشا کو؟" بالے چونکا۔ "ذرا اس استعمال کی تشریح فرما دیجیے؟"

"ایک ہاتھ ماروں گا تو گاڑی سے نیچے نظر آؤ گے، مردود۔"

"بس تشریح ہو گئی۔" بالے نے بس کو لمبا کر کے دونوں ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "وہ بھی اسی طرح استعمال کرتا ہوگا۔" خان اس جواب پر ہنس پڑا۔

"لیکن انھیں کیسے معلوم ہوا؟"

"ان کے بیان کے مطابق شہر میں ایک عورت ایسی بھی ہے جو اسے جانتی ہے۔"

Akram Allahabadi

''شہر میں ایک عورت؟'' بالے سوچنے لگا۔''تو پھر وہ کانتا کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتی۔''

''تم ٹھیک سمجھے، لیکن تم سے پہلے رنبیر وہاں پہنچ چکا ہے۔''

''ملاں کی دوڑ۔''

''ہز ہائی نس کے گھوڑے گولڈ اسٹین اور ٹریبل پول والی ریس کے نتائج یقیناً اس کی مرضی کے مطابق عمل میں آئے تھے اور اس کا ذریعہ وہ ڈاکٹر تھا، جسے افشائے راز کے ڈر سے اس نے ختم کرا دیا۔ اس کے بعد ٹریبل پول جیتنے کے بعد جس آدمی کو اس نے لگایا تھا، وہ سیٹھ رتن چند تھا، جو ان دنوں دیوالیہ ہو کر کوڑی کوڑی کا محتاج ہو رہا تھا، لیکن پھر بھی سیٹھ تھا۔'' خان نے بتایا۔

''کیوں، اس طرح تو وہ کسی اور کو بھی لگا سکتا تھا؟''

''مارواڑی بڑے بزدل ہوتے ہیں، اس نے رقم حاصل کر کے جانے کی دھمکی دی تو اسے بھی ٹھکانے لگا دیا گیا۔'' خان نے بتایا۔

''اور نیشا؟''

''صرف نیشا، ہز ہائی نس رتن پور اور جمشید کے تعلق کو ایک دوسرے پہلو سے بھی سمجھنا ہوگا۔''

''وہ ہوش میں تو آ گئی ہے؟''

''ابھی نہیں، لیکن آج مجھے اس کی موت کا اعلان کرانا ہے اور تم اسے یہاں سے میرے مضافاتی مکان پر لے جاؤ گے، جہاں وہ سفید وردی کے تین آدمیوں کی حفاظت میں رہے گی۔''

''میرے پلے کچھ نہیں پڑا؟''

''پلے صرف عقل مندوں کے پڑتا ہے۔''

Akram Allahabadi

''اور یہ ۵۵۵، کیا یہی جمشید ہے؟''

''یہی ایک راز تو معلوم کرنا ہے اب۔ ویسے امید تو نہیں کہ دونوں ایک ہی شخصیت ہوں گے۔''

''تعلق تو ہے۔''

''تعلق تو ظاہر ہے۔ اگر جمشید خود مسٹر ۵۵۵ نہیں تو پھر وہ یہ تمام کام کسی پراسرار اور نامعلوم شخصیت کے اشاروں پر کرتا رہا ہے۔''

''اور یہ بھائی خان بہادر؟''

''ان پر خفیہ نگرانی ابھی قائم کرا دیتے ہیں۔ ویسے ان سے کل رات ساڑھے ۱۰ بجے نپٹیں گے۔''

''جمشید کے بارے میں کانتا نے کچھ اور بتایا؟'' بالے نے پوچھا۔

''یہی کہ وہ ریس کورس میں ہی کہیں نہ کہیں موجود رہتا ہے۔ ویسے اس کا ٹھکانہ تو شاید کسی کو بھی نہیں معلوم۔''

''اور اتفاق سے صرف ایک ہی ریس اور رہ گئی ہے

''کیا تم نے نیشا سے ریس کورس میں کسی کو ملتے نہیں دیکھا؟''

''نیشا سے؟'' بالے ذہن پر زور دینے لگا۔ ''دیکھا تو تھا، مگر وہ...'' یہ کہہ کر وہ ہنس پڑا۔

''کیوں؟''

''وہ تو ایک مسخرا ہے جو فلموں میں کام کرتا ہے۔ اس کا نام مدھوپال ہے۔''

''کیا تم اسے جانتے ہو؟''

''نہیں۔ کبھی دو چار فلموں میں ہی چھوٹے چھوٹے رول کیے ہوں گے، لیکن وہ تو بہت بے وقوف قسم کا بے کار آدمی ہے۔''

Akram Allahabadi

''اور کسی کو نہیں دیکھا؟''

''کم از کم مجھے تو یاد نہیں کہ دیکھا ہو۔''

''مدھو پال۔'' خان نے دہرایا۔ ''خیر، پہلے ہز ہائی نس کا معاملہ دیکھ لیں۔''

''آپ مس افروز کو تو بھول ہی رہے ہیں؟''

''نہیں، وہ بھی کہیں نہ کہیں اس سلسلے میں مل جائے گی، مل کر اسے ڈھونڈنا ہے تو شوکت کی خبر لو۔ شاید وہ اسے پھر کہیں ملی ہو۔ شوکت کو کسی بھی لڑکی کا بے وقوف بنا دینا بہت آسان ہے۔''

''تو پھر مجھے یہیں اتار دیجیے، اسی طرف سے چلا جاؤں گا۔''

''جا سکتے ہو، مگر سورج ڈوبتے ہی گھر پہنچ جانا۔'' خان نے گاڑی روکتے ہوئے کہا۔

''میری نانی بھی گھر سے نکلتے وقت یہی کہا کرتی تھیں۔'' بالے نے سرد آہ کھینچی۔

''اللہ بخشے انھیں۔'' جواب میں خان صرف مسکرا دیا اور اس کی گاڑی آگے چل دی۔ بالے کسی ٹیکسی کا انتظار کرنے لگا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

بیڑہ غرق

"او بھائی، او چچا اور میرے بڑے باپ۔" شوکت نے جھنجلا کر دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ "خدا کے لیے مجھے معاف کر دو اب۔"

لیکن اس کا مقابل بھی کچھ کم ڈھیٹ واقع نہیں ہوا تھا۔ وہ جیسے کچھ اس کے لیے ہی تیار نہ تھا۔

"پیر و مرشد۔" اس نے کہنا چاہا۔

"میاں خاں، اپنی سات پیڑھی میں کوئی پیر و مرشد نہیں واقع ہوا ہے۔ مجھے چھوڑ دو، یار۔"

"ہر بزرگ ہستی جو خود کو دنیا داری کی آڑ میں چھپائے رہتی ہے، ایسا ہی کہتی ہے۔ ریس کورس میں آپ کے شاگرد رشید نے..." اس نے کہنا چاہا۔

"رشید مشید میرا کوئی نہیں، میں کسی رشید مشید کو نہیں جانتا۔" شوکت بھڑک گیا۔

"آپ نے گھوڑے کا نمبر دیا تھا، وہی آیا ہے۔"

"ارے خان یار، تم آدمی ہو یا پاجاما۔ ہفتے بھر سے پریشان کیے ہوئے ہو۔ وہ نمبر تو میں نے یوں ہی ٹال مٹول کو دے دیا تھا، تم تو گلے ہی پڑ گئے۔"

"یہی انکساری تو شان ہوتی ہے ولیوں کی۔ صدقے حضور کی اس بے نیازی کے۔"

"بے نیازی کی تو وہ... تم خان دماغ مت خراب کرواپنا۔"

"آپ کو آج کی دعوت قبول کرنی ہی پڑے گی۔ میرے دوست اور رشتے دار آپ کے دیدار کی تمنا میں آنکھیں بچھائے بیٹھے ہیں۔ یعنی وہ جو کہا ہے کسی شاعر نے بچھا کے بیٹھے

ہیں۔"

"تو سمیٹ کے رکھ دو۔واہ، مان نہ مان، تو میرا مہمان۔"

"آپ کو چلنا ہی پڑے گا۔میرا نام بھی مدھوپال ہے، میں آپ کے دروازے پر ستیہ گرہ کردوں گا۔ہم لوگ آپ کو اپنا سرآغا خان بنانا چاہتے ہیں۔"

"یہ بھی کوئی بنانے کی چیز ہے۔اوہا ہا ہا...اوہو ہو ہو..." شوکت کا موٹا سا قہقہہ کمرے کی دیواروں سے ٹکرا کر گونجنے لگا۔

"اور ایلینا تو آپ کو ایک نظر دیکھنے کے لیے بے قرار ہو رہی ہے، آپ نہیں چلیں گے تو وہ خودکشی کر لے گی۔" مدھوپال کے اس جملے نے شوکت کی کھوپڑی الٹا دی۔

"خودکشی...چچ چچ...ایسا کیسے ہو سکتا ہے، مگر وہ بے چاری ہے کون؟"

"جب سے آپ کی کرامات کے تذکرے سنے ہیں دیکھنے کو بے تاب ہے، مل کہ اس میں اور ایک لڑکی میں تو شرطیں لگی ہیں کہ آپ ایک تن درست، خوب صورت نوجوان ہیں، اور دوسری کہتی ہے، نہیں، جب اتنے پہنچے ہوئے بزرگ ہیں تو بوڑھے ہوں گے، دو چار ہاتھ کی داڑھی ہوگی۔"

"ارے نہیں، یار۔" شوکت نے گویا دوبارہ تصدیق چاہی۔

"آپ کے سر کی قسم۔"

"اے لو، یہ بھی خوب رہی۔یہاں ہمارے فرشتوں کو بھی خبر نہیں اور ہمارے نام پر یہ جھگڑے۔" یہ کہہ کر شوکت دل ہی دل میں اس مردِ خدا ترس کو دعائیں دینے لگا، جس نے ریس کورس میں کسی گھوڑے کا نمبر بتا کر اپنا استاد شوکت جیسے عقل مند آدمی کو بتایا ہوگا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

حجامت

تقریباً ایک درجن معتقدین جمع تھے، جب شوکت کو اس ان جانی عمارت کے اندر لے جایا گیا۔ مدھوپال نے بڑے پر عقیدت اور شان دار الفاظ میں اس کا تعارف ان سے کرایا اور ان سب نے شکوت کو گھیر لیا۔ ان میں کم از کم دو چہرے تھے جنھیں دیکھ کر شوکت کی سنجیدگی ہوا ہو گئی اور ان دو چہروں میں ایک یقیناً اس کا کہیں دیکھا ہوا تھا۔ وہ اسے غور سے دیکھنے لگا۔

اس کی موٹی عقل میں اس وقت یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ کبھی وہ اس سے ملتی جلتی لڑکی کے قریب بیٹھ کر اس سے گفتگو کر چکا ہے۔ وقتی طور پر وہ خود کو دو حوروں کے درمیان جنت میں محسوس کر کے یہ بھی بھول گیا کہ وہ اجنبی لوگوں سے گھرا ہوا ہے۔ لڑکیوں اور خصوصاً خوب صورت لڑکیوں کے سامنے اس کی کھوپڑی کنٹرول سے باہر ہو جاتی تھی۔ وہ سب کے سب ہی اس کے معتقد نظر آ رہے تھے۔ دونوں لڑکیاں جو آسمانی اور زرد ساڑیاں پہنے ہوئے تھیں، صوفے پر اس کے دائیں بائیں بیٹھ گئیں، شوکت کو فوراً ساجنٹ بالے کا خیال آ گیا۔ اگر وہ اس وقت موجود ہوتا تو شوکت اس کے سامنے واجد علی شاہ کا دعوا ضرور کر بیٹھتا۔

ان میں سے ایک ایک کا تعارف شوکت سے کرایا گیا۔ مدھوپال معذرت کر کے کسی کام سے جا چکا تھا۔ تعارف کرانے کا فرض ان میں سے ایک لڑکی نے انجام دیا۔

''دیکھیے، مجھے کوکب گیسو دراز کہتے ہیں اور یہ دوسری شمع فروزاں ہیں۔''

''بڑے بوجھ صورت، لاحول ولاقوۃ، خوب صورت نام ہیں۔'' شوکت نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں زور سے دبایا۔

''اور یہ بابر تازی۔'' اس نے ایک اچھے ڈیل ڈول کے سنجیدہ شکل کے آدمی کی طرف اشارہ کیا۔

Akram Allahabadi

"اور آپ از بک تر کی ۔آپ سرمست خراسانی ۔"

"خرمست ؟" شوکت کے منہ سے نکلا ۔

"معاف کیجیے، آپ لغوی غلطی فرمارہے ہیں ۔" اس آدمی نے بڑے مہذب لہجے میں کہا ۔

"میاں خاں، برامت ماننا، میری زبان ہی ایسی ہے ۔" شوکت بڑی بے تکلفی سے بولا ۔"

اسی وقت ایک ٹرے میں ایک نوجوان آدمی ایک بوتل اور چند گلاس اٹھا لایا ۔شوکت کی ایک نہ چلی ۔ان نازک وسفید ہاتھوں نے جب اسے جام پیش کیے تو وہ انکار میں سر ہلاتے ہلاتے بھی پی گیا ۔دونوں طرف دو حسین اور پر شباب لڑکیوں کی بے خود کردینے والی خوب صورت آنکھیں تھیں جو وقتِ رز کے سرور کو اور گہرا کرتی جارہی تھی ۔اس پر ان لوگوں نے جب ریس کے گھوڑوں اور سٹے کے نمبروں کے بارے میں اس کی روشن ضمیری کی تعریفیں شروع کیں تو شوکت کو ایسا معلوم ہونے لگا جیسے واقعی وہ کوئی قطب یا مجذوب ہے ۔کسی ستم ظریف نے اس پر چھت کا برقی پنکھا بھی چلا دیا ۔ورہوا لگی تو شوکت اور بہکنے لگا ۔

"میج نے..." وہ زبان کو اینٹھا کر بولا ۔"بھوت سوں کو نخ پتی بنا دیا ہے ۔"

"اس کیا کیا شک ہے، حضور ۔بس اب ہمیں بھی ایک گھوڑا بتا دیجیے ۔" ان میں سے ایک نے ریس کی بک آگے بڑھا کر کہا ۔شوکت نے شان میں آکر پہلے باری باری ان لڑکیوں کی مسکراتی آنکھوں میں دیکھا، پھر سینہ پھلا کر ریس بک ہاتھ میں لے لی ۔

"یہ... یہ... اورلئین ہے نا... یہ... ضرور اور... پچ..."

"اویلنیا نو ۔" دائیں بازو والی لڑکی اسکی تصحیح کرتی ہوئی ہنس پڑی ۔

"ہاں، ہوگا کچھ بھی ۔بس۔ یئی نمبر..."

"تو میرے لگے پانچ سو ۔"

''میرے پانچ ہزار۔'' دوسرا قد آور آدمی بولا۔

''میرے دس۔'' تیسرے نے کہا۔

لیکن اسی وقت ایک شان دار قسم کا ادھیڑ عمر آدمی کمرے کے داہنے دروازے سے مسکراتا ہوا اندر داخل ہوا۔ اسے دیکھتے ہی وہ سب مؤدب ہو گئے۔

''میں نے آپ لوگوں کی باتیں سن لیں، میں نہیں مانتا۔''

''کیا نہیں مانتا؟ کون نہیں مانتا؟'' شوکت کی رگ ٹیڑھی ہو گئی۔

''ذرا سنبھل کر بات کیجیے، یہ یہاں کے کروڑ پتی سیٹھ کروڑی مل جی ہیں۔'' پاس بیٹھی ہوئی لڑکی نے آہستہ سے شوکت کے کان میں کہا۔

''ارے ہوں گے۔ یہ ریوڑی مل ہوں یا بتاشہ مل، یہاں کون کم ہے کسی سے۔'' شوکت اور اکڑ گیا۔

''میں کہتا ہوں یہ ناممکن ہے۔ چلیے، میں پچاس ہزار کی شرط لگاتا ہوں اس گھوڑے پر۔''

''میں خود ایک لاکھ لگاتا ہوں۔'' شوکت نے تپائی پر گھونسا مار کر کہا۔

''سیٹھ جی، آپ نہیں جانتے، خدا نے ان کی زبان میں تاثیر ایسی دی ہے کہ جس گھوڑے کا نام لے دیں وہی آتا ہے۔'' ایک آدمی سیٹھ کروڑی مل کو سمجھانے لگا۔

''بہت دیکھے ہیں، بھئی، ایسے۔'' کروڑی مل کے اس جواب نے شوکت کے لیے آگ پر تیل کا کام کیا۔

''میاں خاں، گھوڑا تو گھوڑا، خچر کا نام بتا دوں تو وہ بھی سالا اول آئے۔ کیا سمجھا ہے مجھے؟'' شوکت نے بڑے فخر سے یہ کہہ کر ان دونوں لڑکیوں کی طرف دیکھا اور ان لڑکیوں نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیے۔

''یہی ضد ہے تو چلیے، میں پانچ لاکھ کی شرط لگاتا ہوں۔ آپ کا گھوڑا آ گیا تو یہ پانچ

Akram Allahabadi

لاکھ آپ کے، نہیں تو...'' یہ کہہ کر وہ مسکرایا۔

''ہاں ہاں، یہ لو ایک لاکھ، نہیں آیا تو تمہارے۔'' یہ کہہ کر شوکت نے جھومتے ہوئے جیب سے چیک بک نکالی اور ایک لاکھ کا چیک کاٹ کر کروڑی کی طرف بڑھادیا۔ کروڑی مل نے اپنا چیک شوکت کو دے دیا۔

''چلیے، پانچ لاکھ کا فائدہ ہوا، ورنہ کروڑی مل بڑا کنجوس آدمی ہے۔'' بائیں بازو والی لڑکی جھک کر اسکے کان میں بولی۔

''تو پھر طے رہی، مسٹر...''

''شوکت۔'' شوکت نے سامنے رکھے ہوئے پیگ کی تلچھٹ بھی حلق میں انڈیلتے ہوئے کہا۔

''ہمارا بھی حصہ ہوگا نا اس پانچ لاکھ میں؟'' دوسری لڑکی نے اتنے قریب ہو کر کہا کہ اس کے خوب صورت بالوں کی لٹ شوکت کے رخسار سے ٹکرانے لگی۔

''کیوں نہیں، ساب تمہارا ہے۔ بچ۔''

اس کے اس جواب کے ساتھ ایک پیگ اور اس کی طرف بڑھادیا گیا اور اسے حلق میں انڈیلنے کے بعد ہی شوکت کو اپنے گرد دو کی بجائے چار اور پھر چار کی جگہ آٹھ لڑکیاں نظر آنے لگیں۔ پھر یہ تعداد بڑھتے بڑھتے ایک بڑے سیاہ دائرے تک پہنچ گئی۔

شوکت کی جس وقت آنکھ کھلی، سارا نشہ کافور ہو چکا تھا۔ وہ حیران حیران نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ پھر اس نے دماغ پر زور دے کر پچھلے واقعات کو دہرانے کی کوشش کی اور جیسے ہی اسے ان دو لڑکیوں کے خوب صورت چہروں کے ساتھ اپنی چیک بک کا خیال آیا، وہ چونک پڑا۔ اس نے اپنی جیبیں ٹٹولیں۔ چیک بک موجود تھی۔ اسے کھولنے پر اسے وہ لاکھ روپے بھی یاد آگئے، جو اس نے کسی کروڑی مل سے شرط پر لگا دیے تھے۔ ایک لاکھ روپے جو نشے کے عالم میں ایک سو کی بھی حیثیت نہ رکھتے ہوں، لیکن عالمِ ہوش میں تو اس کے لیے کافی

زیادہ تھے۔ پھر اس نے دوسری جیب میں ہاتھ ڈالا اور اس میں اسے وہ چیک مل گیا جو پانچ لاکھ کا تھا، اور جسے کروڑی مل نے لکھا تھا۔

ابھی وہ اس چیک کو غور سے دیکھ ہی رہا تھا کہ دروازہ کھلا اور بالے کے چہرے پر نظر پڑتے ہی شوکت گھبرا گیا۔ بالے مسکرا رہا تھا۔

کیوں بیٹے، بہت پینے لگے ہو آج کل؟''

''کہاں...؟ وہ تو... وہ تو... ایسی تیسی ان سالیوں کی۔'' شوکت نے جھنجلا کر سر جھٹکا۔

''معلوم ہے یہ کون سی جگہ ہے؟''

شوکت نے اب پہلی بار اس کمرے کا جائزہ لینا شروع کیا۔

''حوالات۔''

''ہوشت۔ حوالات میں ایسی پلنگ، کرسیاں کہاں ہوتی ہیں؟'' شوکت بھولے پن سے بولا۔

''میں نے خاص طور پر تمہارے لیے لگوادی ہیں۔ خیر، پہلے یہ بتاؤ تم نیشنل تھیٹرز کی بلڈنگ میں کیسے پہنچے تھے؟''

''کون سور گیا تھا وہاں؟ میں تو دعوت میں گیا تھا۔''

''پھر وہاں اسٹیج کے پیچھے ویٹرز روم کیا تمہاری لاش پڑی ہوئی تھی؟''

''میری لاش؟ یار، اللہ قسم، بات کرنا ہے تو سیدھی کرو، لاش واش پڑی ہوگی تمہاری، میں کیوں مروں؟ واہ۔''

''اے جناب چونکھٹ، آپ وہاں بے ہوش پڑے پائے گئے تھے۔''

''نیشنل تھیٹر کی بلڈنگ میں؟'' شوکت نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں۔ اور وہ تو خیریت ہوئی کہ تمہارے گھر پہنچتے ہی مجھے یہ پتا چل گیا کہ تم کسی کے ساتھ گئے ہو اور تمہارے نوکر نے جس آدمی کا حلیہ بیان کیا تھا، وہ نیشنل تھیٹرز میں کام کرتا

Akram Allahabadi

ہے۔''

''یہ تمہیں کیسے معلوم ہے؟''شوکت نے سوال کیا۔

''میں نے کل ہی اس کا پتا چلایا تھا۔بہر حال،تم وہاں پہنچے کیسے؟''

''مجھے کیا معلوم،وہ سالا تو مجھے دعوت میں لے گیا تھا۔بولتا تھا بہت سے آدمی آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔آپ سچا سچا گھوڑوں کا نام بتاتے ہیں اس لیے۔''

بالے نے طنز کیا۔''گدھے گھوڑوں کا نمبر بتایا کرتے ہیں؟''

''ارے تو کیا جھوٹ ہے۔میں نے جس گھوڑے کا نام بتایا تھا،وہی ریس میں اول آیا تھا۔''شوکت بھولے پن سے بولا۔

''تمہیں وہ گاڑی میں لے گئے اور پھر بھی تم راستہ نہ دیکھ سکے؟''

''گاڑی پر نیلے شیشے جو چڑھے تھے۔وہ کہتا تھا ایسے پہنچے ہوئے لوگوں کو ہزاروں آدمی گھیر لیتے ہیں اور جان چھڑانی مشکل ہو جاتی ہے۔''

''خیر،وہ تمہیں پچھلے دروازے سے اس عمارت میں لے گئے ہوں گے،کیوں کہ تھیٹر کے اسٹاف نے کسی نئے آدمی کو سامنے سے آتے یا لائے جاتے نہیں دیکھا۔

''بس،پھر وہاں ایک سیٹھ کروڑی مل آیا اور،یار،کیا حوریں تھیں،وہ دو تو جیسے...،ارے ہاں،ایک کو تو میں پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔''یہ کہتے ہوئے شوکت نے پورا قصہ اسے سنا ڈالا۔

''ذہن پر زور ڈالو،تم نے اس لڑکی کو پہلے کہاں دیکھا تھا؟''بالے نے اس سے کہا۔

''شاید...شاید...،بلیرڈ کلب میں ہی دیکھا ہوگا۔''

''بلیرڈ کلب میں؟تو وہ ضرور افروز ہی ہوگی۔''

''افروز؟ارے واہ،کیا بات کہی ہے،سالی بالکل وہی تھی۔لو،اتنی دیر سے نام ہی

نہیں یاد آ رہا تھا بے چاری کا۔"

"وہ چیک کہاں ہے، جو تمہیں اس کروڑی مل نے دیا تھا؟"

"یہ کیا ہے۔ مگر گھوڑا آ گیا تو تمہیں بھی پچاس ہزار دے دوں گا۔"

"پہلے اپنے ایک لاکھ کی تو خیر مناؤ۔ جانتے ہو چیک کس کے نام ہے؟"

"اب ایسا کیا اندھا ہوں؟ خدا نے دو دو دی ہیں، یہ کیا چھپا ہے۔"

"الہ آباد بینک۔"

"الہ آباد بینک کوئی نہیں، الہ آباد بینک لمیٹڈ ہے۔" بالے مسکرایا۔

"تو کیا ہوا، لمیٹڈ چھاپنا بھول گیا ہوگا۔"

"تم نرے چغد ہو، اور یہ دستخط؟ ذرا غور سے پڑھو۔" بالے نے وہ چیک اس کے سامنے رکھ دیا۔ شوکت نے اب جو اسے غور سے دیکھا تو چونک پڑا۔ اس پر لکھا تھا 'کروڑوں جوتے'۔"

ہائے، گئی بھینس پانی میں۔" شوکت نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔

"چلو میرے ساتھ۔" بالے اٹھ کھڑا ہوا۔ "چلو تو۔" اس نے بازو سے تھام کر شوکت کو کھڑا کیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

دھوکا

پندرہ منٹ بعد ہی وہ نیشنل تھیٹرز کی عمارت کے ایک وسیع ہال میں کھڑے ہوئے تھے۔ تھیٹر کا منیجر ان کے ساتھ موجود تھا اور تھیٹر کا پورا اسٹاف سامنے صف باندھے کھڑا تھا۔ شوکت کو ان میں سے ایک ایک کو اچھی طرح دیکھنے کا موقع دیا گیا، لیکن سب کو دیکھنے کے بعد اس نے نفی میں گردن ہلا دی۔ منیجر اور تمام آدمیوں سے باز پرس کے بعد اس نتیجے پر پہنچا گیا کہ کیوں کہ شو کے درمیان یا ریہرسل کے وقت اسٹیج کے پیچھے وزٹرز روم سونا پڑا رہتا ہے، اس لیے کچھ نامعلوم لوگ پچھلے دروازے سے کسی جاننے والے کی مدد سے اندر گھس آئے اور وزٹرز روم میں اپنا کام بنا کر اسی راستے غائب ہو گئے۔ یہاں موجود آدمیوں میں مدھو پال نہیں تھا۔ منیجر نے بتایا کہ کسی فلمی شوٹنگ کے سلسلے میں اس نے چار دن کی چھٹی لے رکھی ہے۔

وہ اکثر اسی طرح غائب رہتا تھا، ویسے اس کے جائے مقام یا ملاقاتوں کے مقام، تھا کہ شوٹنگ کے سلسلے کا پتا بھی یہاں کسی کو معلوم نہ تھا۔ انھیں ناکام لوٹنا پڑا اور شوکت راستے بھر اپنے ایک لاکھ کا ماتم کرتا رہا۔ اس وقت بالے کو بھی یہ خیال ستا رہا تھا کہ کاش وہ کچھ دیر پہلے پہنچا ہوتا۔

اندھیری رات کے سناٹے میں ۹ کے گھنٹے بجتے ہی ہز ہائی نس رتن پور کی قیام گاہ کے احاطے میں کسی کار کے داخل ہونے کی آواز نے دربان کو چونکا دیا۔

کار سے اترنے والا ایک سرمئی رنگ کے گرم سوٹ والا تن درست ستائیس بتیس سالہ آدمی تھا۔ اس نے آنکھوں پر باریک سنہری فریم کی عینک لگا رکھی تھی۔ سکریٹری باہر نکل آیا۔

''آپ۔'' اس نے استقبالیہ انداز میں قریب آ کر پوچھا۔

''جس کا وہ انتظار کر رہے ہیں۔'' اس نے مختصراً جواب دیا اور سکریٹری نے مؤدب

انداز میں اسے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ایک وسیع اور بلند چھت والے ہال سے اس کی رہنمائی کرتا ہوا وہ اسے ایک چوڑے ٹپوں والے بڑے دروازے تک لے گیا، جہاں کار چوبی پردے لٹک رہے تھے۔

''تشریف لے جایے۔'' سکریٹری نے ادب سے کہا اور واپس لوٹ آیا۔آنے والے نے ایک لحہ توقف کیا اور پھر مسکراتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔

اندر بچھے ہوئے ایک شان دار صوفہ سیٹ کے قریب ہی کوئی دروازے کی طرف پشت کیے السٹر پہنے سگریٹ پی رہا تھا۔

''میں آ گیا ہوں۔''

''او...ہاں...ضرور۔'' یہ کہتے ہی ہز ہائی نس رتن پور ایک دم پلٹ پڑے، لیکن آنے والا ان کی شکل دیکھتے ہی چونک پڑا۔ہز ہائی نس کی جگہ اس کے مقابلے میں محکمہ سراغ رسانی کا انچارج سپرنٹنڈنٹ خان کھڑا تھا اور اسکے ہاتھ میں بھرا ہوا پستول تھا۔

''آپ...؟ آپ...؟'' وہ گھبرا کر بولا۔''آپ کون ہیں؟ کیا چاہتے ہیں؟'' اس نے اٹکتے اٹکتے الفاظ ادا کیے۔پستول سے بہت خوف زدہ نظر آ رہا تھا۔

''زیادہ چالاک بننے کی کوشش مت کرو، مسٹر ۵۵۵۔'' خان نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

''مسٹر ۵۵۵؟'' وہ آدمی حیرت سے بولا۔''ارے صاحب، میں تو بیمہ کمپنی کا ایجنٹ ہوں۔ہز ہائی نس نے مجھے فون کر کے آج ۹ بجے طلب کیا تھا۔''

''تمہاری معصومیت مجھے دھوکا نہیں دے سکتی، مسٹر۔'' خان اس کے اور نزدیک آ گیا۔لیکن نووارد کسی قسم کی جوابی کاروائی کے لیے تیار نہیں معلوم ہوتا تھا۔خان کچھ اور کہنا ہی چاہتا تھا کہ اچانک بنگلے کی دوسری منزل سے شور سنائی دینے لگا۔وہ چونک پڑا۔پھر اس نے ایک بار غور سے اس آدمی کی طرف دیکھا اور جیب سے وسل نکال کر بجا دی۔وسل کی آواز گونجتے

ہی دروازہ کھول کر انسپکٹر شاہ اندر آ پہنچا۔

''سر دست انھیں حراست میں رکھیے، میں دیکھتا ہوں کیا گڑ بڑ ہے؟ اور ہاں، تصدیق سے پہلے انھیں خطرناک ہی سمجھیے۔''

خان نے شاہ کو حکم دیا۔ شاہ نے اپنا پستول نکال کر نووارد کو نشانے میں لے لیا اور خان کی جگہ آ کھڑا ہوا۔ خان دروازے سے نکل کر اوپر کی طرف دوڑا۔

یہاں ہز ہائی نس کے ریڈنگ روم کے سامنے نوکروں کی بھیڑ جمع تھی اور ایک پولیس کانسٹیبل بھی سادہ لباس میں باہر موجود تھا۔ خان کو دیکھتے ہی وہ اٹینشن ہو گیا۔ نوکر ایک طرف ہٹ گیا اور خان کمرے میں داخل ہو گیا۔ اندر ہز ہائی نس رتن پور ایک آرام کرسی پر پڑے تھے۔ ان کا سر ایک طرف ڈھلکا ہوا تھا اور ناک سے خون بہہ رہا تھا، لیکن سانس برابر چل رہی تھی۔

خان نے قریب پہنچ کر ان کے سینے پر گون کے اوپر پن کیا ہوا کاغذ کا ایک پرزہ نکال لیا، جس پر لکھا تھا، 'فریب کی معمولی سزا'۔

ہز ہائی نس کا سیکریٹری گھبرایا ہوا سا قریب کھڑا تھا۔

''دیکھ کیا رہے ہو، کسی ڈاکٹر کو بلایئے۔'' خان نے سکریٹری کو کہا اور وہ چونک کر ٹیلی فون کرنے کے لیے تیز تیز قدم اٹھاتا باہر نکل گیا۔

''یہ کیسے ہوا؟'' خان نے نوکروں کی طرف رخ کر کے پوچھا۔

''صاحب، یہ کسی کو معلوم نہیں۔ ہم نے تو صرف سرکار کی آواز سنی تھی۔ انھوں نے پکارا تھا، 'ارے، کوئی ہے'، اور جب ہم یہاں پہنچے تو دروازہ کھلا ہوا تھا اور سرکار اسی طرح پڑے ہوئے تھے۔'' ایک ملازم نے بتایا۔

ڈاکٹر کا انتظار کیے بغیر خان نیچے آ گیا۔ شاہ یہاں اس نووارد کو حراست میں لیے ہوئے تھے۔ خان نے اس کے کاغذات دیکھ کر اطمینان کر لیا کہ وہ جنرل لائف انشورنس کا ایجنٹ ہی ہے۔ ایجنٹ نے قسمیں کھا کھا کر بتایا کہ اسے ٹیلی فون آج دوپہر کو ملا تھا کہ ہز ہائی

نس رات کو ۹ بجے فرصت سے ایک پالیسی کے متعلق بات چیت کرنا چاہتے ہیں۔

بیمہ ایجنٹ کو خان نے چھوڑ دیا اور شاہ کو ہزہائی نس رتن پور کے ہوش میں آنے پر ان کا بیان لینے کے لیے وہیں چھوڑ کر خود باہر نکل آیا۔ باہر اس کی کار موجود نہ تھی۔ حالاں کہ پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق اس نے اسے بنگلے کے احاطے میں پشت کی طرف اندھیرے میں کھڑا کیا تھا۔ وہ چند سیکنڈ یہاں کھڑا سوچتا رہا، پھر پیدل چل کر باہر آیا۔ اسے سڑک سے ٹیکسی حاصل کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔

''پولیس ہیڈ کوارٹرز۔'' اس نے ٹیکسی ڈرائیور کو ہدایت کی۔

''تقریباً پندرہ منٹ کے بعد ہی ٹیکسی پولیس ہیڈ کوارٹرز پہنچ گئی۔ یہاں لاک اپ، ٹریفک کنٹرول، ایمرجنسی فورس کے دفاتر اور کنٹرول روم کے علاوہ تمام دفاتر بند تھے۔ وہ سیدھا کنٹرول روم میں چلا گیا۔ وائرلیس آپریٹروں کو آج شاید فرصت تھی، اس لیے وہ لاپرواہی سے اپنی نشستیں چھوڑ کر ادھر ادھر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ خان کو دیکھتے ہی وہ گھبرا گئے۔ ان میں سے ہر ایک بڑی پھرتی کے ساتھ اپنی نشست پر پہنچ گیا۔ لیکن خان نے ان کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ وہ ان کے سلام کا جواب اشاروں سے دیتا ہوا ایک سیٹ کے قریب جا کھڑا ہوا۔

''رٹنگ کال... آل... اوور۔'' خان نے آپریٹر سے کہا۔ اس نے فوراً ہی تمام خانے کنفیکٹ کر دیے۔

خان نے ماؤتھ پیس اٹھا لیا۔ ''ہیلو، ریڈ کیٹ... سپرون کالنگ... ہیلو، ریڈ کیٹ۔''

ان کے کوڈ پر کنٹرول کے کچھ آدمی تو حیرت سے اس کی صورت دیکھ رہے تھے اور کچھ زیرِ لب مسکرا رہے تھے۔ وہ اس محکمے کے اور بالخصوص خان اور بالے کے نئے نئے کوڈ کے بارے میں آج تک کوئی صحیح آئیڈیا نہیں قائم کر سکتے تھے۔ جب بھی وہ ان کی تہ میں پہنچنے کی کوشش کرتے، کوڈ بدل جاتا۔ آج کا کوڈ بھی ان کے لیے بالکل نیا تھا۔ چند سیکنڈ کے بعد ہی سیٹ میں گونج سنائی دی اور پوائنٹ ۱۳ اسپارک کرنے لگا۔

''ریڈ کوٹ ہیر، سر۔ ہیلو، سپر ون، ریڈ کوٹ اٹنڈنگ۔''

''تم اس وقت کہاں ہو؟''

''لوکیشن تھرٹین... کار کے اندر اسٹمبرنگ کے سامنے۔ زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے وغیرہ وغیرہ... اوور۔''

''گدھے، میں کنٹرول روم سے بول رہا ہوں۔''

''کنٹرول، اب کہاں گئے وہ زمانے جب خلیل خان...''

''شٹ اپ۔'' خان نے اسے ڈانٹا۔

''میں اس کا پیچھا کر رہا ہوں، اوور۔''

''اس وقت کس مقام پر ہو؟''

''پیڈر روڈ، رخ ساؤتھ کی طرف ہے۔''

''میں آتا ہوں۔''

یہ کہہ کر کمیونیکیشن آف کرتا ہوا وہ تیز رفتاری سے باہر نکل آیا۔ باہر محکمے کی اسٹیشن ویگن اسٹاف کار موجود تھی، لیکن ڈرائیور شاید کسی ہوٹل میں چائے پینے گیا ہوا تھا۔

''اسی وقت مرنا تھا کم بخت کو۔'' خان بڑبڑایا۔ پھر اس نے گاڑی کا ہارن بجانا شروع کر دیا۔ ڈرائیور ایک منٹ میں ہی بھاگا ہوا آ پہنچا۔ خان کی شکل دیکھتے ہی اس کا چہرہ اتر گیا۔

محکمے کا سب سے بڑا افسر اسے بروقت ضرورت حاضر نہ پا سکا تھا، حالاں کہ کبھی اتفاق سے ہی وہ اس کار کو استعمال کرتا تھا۔

''حضور، میں... چائے پینے...'' ڈرائیور نے صفائی پیش کرنی چاہی۔

''چلو، جلدی بیٹھو۔'' خان خود کار میں پچھلی نشست پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

ڈرائیور نے غیر معمولی پھرتی دکھلاتے ہوئے گاڑی میں بیٹھتے بیٹھتے سیلف دبا کر

اسٹارٹ کر دیا۔

''پیڈ رروڈ، جتنی تیز ہو سکے۔''

ڈرائیور نے تعمیلِ حکم کی اور ساتھ ہی پولیس سائرن آن کر دیا۔

''بے وقوف، بند کرو اسے۔'' خان نے جھنجلا کر اسے ڈانٹا اور ڈرائیور نے گھبرا کر سائرن بند کر دیا۔

''پیڈ رروڈ ساؤتھ کی طرف، سمجھے نا؟'' خان نے لہجہ اب نرم کر لیا، تاکہ گھبراہٹ میں ڈرائیور کوئی غلطی نہ کر بیٹھے۔

۴۵ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گھنی اور بارونق سڑکوں سے گزرتی ہوئی اسٹاف کار پیڈ رروڈ پہنچ گئی، لیکن اس کے دوسرے سرے تک خان کو اپنی کار نظر نہیں آئی جو بالے کے پاس تھی۔ اس نے کمیونیکیٹر آن کر کے بالے کو کال کرنا شروع کر دیا۔

''ریڈ کیٹ، سپرون کالنگ، ریڈ کیٹ۔''

''ریڈ کیٹ، سپرون کالنگ۔ کم ان سون۔''

لیکن کوئی جواب نہ ملنے پر اس نے یہ سمجھتے ہوئے کہ شاید کمیونیکیشن سیٹ میں کوئی خرابی ہو، اس نے کنٹرول روم کا کال کیا اور وہاں سے فوراً جواب دیا گیا۔ بالے کی اس خاموشی سے خان کا ماتھا ٹھنک اٹھا۔ اس نے اسٹاف کار کے ڈرائیور کو پچھلی نشست پر بھیج دیا اور خود اسٹیرنگ سنبھال لیا۔ وہ اب اندھا دھند گاڑی دوڑا رہا تھا۔ اس نے پیڈ روڈ سے منسلک تمام سڑکیں دیکھ ڈالیں، لیکن نہ تو اسے اپنی کار نظر آئی نہ کوئی قابلِ توجہ علامت۔

وہ یہ جانتا تھا کہ ۵۵۵ بھی کچھ کم پراسرار شخصیت نہیں ہے۔ اسی لیے جب ہز ہائی نس رتن پور نے حالات سے مجبور ہو کر اس کو چند خفیہ حقائق سے آگاہ کرتے ہوئے اس سے مدد طلب کی تو اس نے انھیں ان کے کمرے سے ہٹا کر خود ۵۵۵ کا انتظار کیا تھا، لیکن اس پر بھی اسے پوری طرح یقین نہیں تھا کہ وہ نامعلوم چالاک شخصیت بلا احتیاط آسانی سے آ جائے گی۔

اور اس کا خیال صحیح بھی نکلا۔ مسٹر ۵۵۵ ضرور پراسرار ذرائع کا حامل تھا جو اس نے پہلے سے پولیس کو بے وقوف بنانے کا انتظام کر دیا۔ انشورنس ایجنٹ کو ضرور اس نے ہی ہز ہائی نس کی طرف سے فون کیا ہوگا۔

مگر ۵۵۵ کی اس چالاکی کے باوجود خاں جیسی شخصیت آسانی سے فریب کھانے والی نہ تھی۔ اس نے بالے کو خود سے علاحدہ کر کے پہلے ہی ہز ہائی نس رتن پور کی خفیہ نگرانی پر مقرر کر دیا تھا۔ بالے نے البتہ یہ عقل مندی کی تھی کہ اس نے ہز ہائی نس رتن پور اور اس پراسرار شخصیت کے مابین دخل نہیں دیا نہ ہی اپنے وجود کو ظاہر کیا اور خاموشی سے اس کا تعاقب کرتا رہا۔ لیکن اس کا ہوا کیا؟ یہی ایک خیال اسے ستا رہا تھا۔ کہیں وہ کسی مصیبت کا شکار نہ ہو گیا ہو۔ اس نے اس علاقے سے متعلق علاقے بھی دیکھ ڈالے۔ بعض جگہ ٹریفک کے کانسٹیبلوں سے اس گاڑی کے بارے میں معلوم بھی کیا، لیکن یا تو وہ لوگ اس پر توجہ نہ دے سکے تھے یا پھر واقعی ہی انھوں نے خان کی کار ادھر سے گزرتی نہ دیکھی ہوگی۔

جب وہ لوٹنے لگا تو رات کے ساڑھے ۱۰ بج رہے تھے۔ اس کا دماغ اس وقت غم و غصے کے جذبات سے کھول رہا تھا۔ اس نے کئی بار یہ بھی سوچا کہ خان بہادر کی گردن دبائے، لیکن اس طرح اسے خدشہ تھا کہ سراغ کا ایک آخری امکان بھی کہیں ہاتھ سے نہ نکل جائے اور وہ ۵۵۵ پہلے سے باخبر ہو کر خود کو اور زیادہ محفوظ اور روپوش کر لے۔

ایمرسن فائنانشل کارپوریشن کی عمارت اب تک خفیہ پولیس کی نگرانی میں تھی۔ وہاں سے صرف اس قدر سراغ مل سکا تھا کہ یہ عمارت ایک باقاعدہ فرم، ایمرسن، کے قبضے میں ہے، جس کا اچھا خاصا بزنس پھیلا ہوا ہے۔ اور دن کے اوقات میں ایمرسن کارپوریشن کا عملہ اس عمارت میں روزمرہ باقاعدگی سے کام کرتا ہے، البتہ رات کو یہ عمارت مقفل رہتی ہے اور دو گورکھے اس کی نگرانی پر رہتے ہیں۔ چناں چہ خان نے ان ہی دونوں گورکھوں کو پکڑوا کر ہیڈ کوارٹرز میں بلوا لیا تھا۔ یہ گورکھے بھی اتنے سخت جان تھے کہ جب تک تھرڈ ڈگری کے ذریعے

انھیں مجبور نہ کر دیا گیا۔انھوں نے یہ نہیں قبولا کہ رات کے وقت چند نا معلوم آدمیوں کی ایک پارٹی اس عمارت کو استعمال کرتی رہی ہے اور وہ اس کے عوض ان گورکھوں کو دس دس روپیہ روز کے حساب سے رشوت دیا کرتی تھی۔ یہ سلسلہ پچھلے کئی مہینوں سے اتنے احتیاط کے ساتھ چل رہا تھا کہ کسی کو آج تک شبہ بھی نہیں ہوا تھا۔یہ دونوں گورکھے اس وقت بھی لاک اپ میں تھے۔

کچھ سوچ کر خان نے کار ایک جگہ روک دی۔ یہ ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ تھا۔ ڈرائیور گاڑی میں بیٹھا رہا ارخان بوتھ کے اندر چلا گیا۔اس نے بوتھ کو اندر سے بند کر کے ڈائل پر پانچ کے ہندسے تین بار گھمائے اور رسیور کان سے لگا لیا۔ایک سیکنڈ بعد ہی کہیں بزنگ سنائی دینے لگی۔یہ بزنگ کافی دیر تک جاری رہی،لیکن دوسری طرف سے کسی نے فون نہیں اٹھایا۔یہ کوشش خان کے لیے نئی نہیں تھی،وہ کئی بار اس تین نمبروں کے دفاتر سے اسے جو اطلاع فراہم ہو سکی تھی، وہ قطعی حوصلہ شکن تھی۔کیوں کہ ۵۵۵ نمبر کا فون فرگوسن اسٹریٹ کا پبلک ٹیلی فون بوتھ تھا اور ہر خاص و عام راہ چلتے اسے استعمال کرتا تھا۔اسی امکان کے ساتھ خان نے فرگوسن اسٹریٹ اور اس کے آس پاس کا پورا علاقہ چھان مارا تھا۔یہاں شریفوں کی آبادی تھی اور کوئی سراغ ایسا نہ مل سکا جس سے کسی شبے کی تصدیق ہو سکے۔

اس وقت وہ ۵۵۵ کو ٹرائی کر رہا تھا۔آج اس نے ایک نیا طریقہ اختیار کیا۔ پہلے بزنگ سنتے ہی لائن کٹ کر کے نمبر دوبارہ ڈائل کیے۔ یکے بعد دیگرے تین بار لائن کٹ کر کے نمبروں کو ڈائل کرنے کے بعد جو بزنگ اسے سنائی دی، وہ مدھم سی تھی،لیکن اس کے ساتھ ہی سنائی دینے والی ایک مردانی آواز نے اسے چونکا گیا۔

''کم ان۔'' دوسری طرف سے کسی نے کہا۔

''باس،ہز ہائی نس رتن پور کا کسی نے خون کر دیا ہے۔''

''اوہ،دیکھیے یہ شراب خانہ نہیں ہے۔آپ نے غلط نمبر ملایا ہے۔''

''میں جمشید بول رہا ہوں،باس۔''

''جمشید؟'' دوسری طرف سے کسی نے چونک کر کہا۔ اس کے ساتھ ہی ایک طویل قہقہہ فون پر سنائی دیا۔

''مسٹر خان۔'' وہی آواز پھر سنائی دی۔ ''آپ کی کوششیں بے سود ہیں۔ میں تو یہاں تک جانتا ہوں کہ نیشا کی موت کی خبریں اخباروں میں چھپوا کر آپ اسے اپنے مضافاتی مکان پر لے گئے ہیں، جہاں وہ لیڈی کانسٹیبلوں کی حفاظت میں موجود ہے، لیکن وہ اس سے زیادہ کچھ نہ بتا سکے گی کہ جمشید کون ہے ارہزہائی نس رتن پور سے خود اس کا پہلے کیا رشتہ رہا ہے۔ میں اسی راز کے ذریعے ہز ہائی نس کو اس کا قاتل ثابت کر سکنے کے عوض ان سے پانچ لاکھ روپیہ وصول کرنے جا رہا تھا، لیکن آپ نے اس بار میرا بہت بڑا نقصان کروا دیا۔

'' بکومت۔ ہز ہائی نس رتن پور مجھے وہ سب کچھ بتا چکے ہیں جس کے لیے تم انھیں اب تک دباتے رہے تھے اور تم نے ان پر یہ بھی جھوٹی دھونس گانٹھ رکھی تی کہ نیشا کے پیٹ سے ان کی اولاد بھی ہے جو تمہارے قبضے میں ہے۔''

''اوہ، تو تم یہاں تک پہنچ گئے۔'' ۵۵۵ آپ سے تم پر اتر آیا۔

''ہاں، اور اب تم تک پہنچنے کے لیے صرف ایک جست کافی ہے۔''

''یہ خیال خام ہے تمہارا۔ ویسے ہی میں تمہیں یہ خوش خبری سنا دوں کہ تمہارا وہ اسسٹنٹ جو میری امید کے مطابق میرا پیچھا کر رہا تھا، اس وقت میری قید میں ہے اور اس کی جان بخشی صرف اس صورت میں ہو سکتی ہے کہ تم نیشا سے اس کا تبادلہ کر لو۔''

۵۵۵ کے اس جواب نے خان کو چونکا دیا۔ یہ تو شک اسے پہلے ہی ہو چکا تھا کہ بالے کسی نہ کسی مصیبت میں گرفتار ہو گیا ہے۔

''یہ تو بہت معمولی بات ہے، مجھے منظور ہے۔'' خان نے جواب دیا۔

''تو پھر کل، اسی جگہ، اسی وقت، لیکن اگر تمہارے اور نیشا کے سوا کوئی اور آیا تو تمہارے اسسٹنٹ کی لاش ہی تمہیں مل سکے گی۔''

Akram Allahabadi

''میں خیال رکھوں گا۔''خان نے سنجیدگی سے جواب میں کہا۔

''اس بات کا اطمینان پہلے سے کرلیا جائے کہ تمہاری پولیس پہلے سے راستے نہ گھیرے۔''

''میں سمجھتا ہوں۔'' خان نے گویا ہتھیار ڈال دیے۔اور اس کے ساتھ ہی سلسلۂ فون منقطع ہوگیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

ایک اور خون

واپس لوٹتے ہوئے اس نے اپنی گاڑی نیشنل تھیٹرز پر روک دی۔ اس وقت تھیٹرز کے پروگرام کا دوسرا شو شروع ہو چکا تھا، لیکن سادہ وردی میں حسبِ ہدایت رؤف یہاں باہر ہی موجود تھا۔ وہ خان کو دیکھتے ہی اٹینشن ہو گیا۔

''ابراہیم کہاں ہے؟'' خان نے پوچھا۔

''وہ اندر کی نگرانی کر رہے ہیں۔'' رؤف نے مؤدب لہجے میں جواب دیا۔

''بالے تو نہیں آئے تھے یہاں؟'' خان نے ایک شبے کی تصدیق کرنی چاہی۔

''جی نہیں۔'' رؤف کا مایوس کن جواب ملا۔

''اور کوئی خاص بات؟''

''ابھی تک تو کوئی نہیں، اور اس مدھوپال کا تو پتا ہی نہیں چل رہا۔''

''خیر، کڑی نگرانی قائم رکھو، ممکن ہے کسی وقت آ جائے۔''

''بہتر ہے۔''

خان نے گاڑی پھر اسٹارٹ کر دی۔ تیسری بار اس کی گاڑی جس عمارت کے نیچے رکی، یہ وہی تھی جس میں کانتا رہتی تھی۔ وہ ادھیڑ عمر کی خوب صورت خد و خال والی خوف ناک عورت جس سے اس علاقے کے مرد بھی کانپتے تھے، لیکن سپرنٹنڈنٹ خان کا وجود ہی یہاں کے جرائم پیشہ یا شرفا سوسائٹی کے افراد کے لیے 'ملک الموت' کے برابر تھا۔ وہ کانتا جس نے انسپکٹر رنبیر کو بچہ سمجھ کر اس سے گفتگو کی تھی، خان کا نام سنتے ہی گھبرا گئی۔ اس نے خود ہی دروازے پر آ کر خان کا استقبال کیا، لیکن خان کا موڈ کچھ اس قدر بگڑا ہوا تھا کہ اس نے فوراً ہی اس سے سوالات شروع کر دیے۔

Akram Allahabadi

''تمہیں تو معلوم ہے نا کہ جمشید کون ہے؟''

''کون تھا، یہ مجھے معلوم ہے، لیکن مدت سے میرا اس سے سابقہ نہیں پڑا ہے، اور اب وہ کون ہے، یہ میں نہیں جانتی۔'' کانتا نے صاف گوئی سے کام لیا۔

''تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی شخصیتیں بدلتا رہتا ہے؟''

''وہ ہر جائز اور ناجائز طریقے سے روپیہ کماتا ہے، لیکن اس کا زیادہ تر بیوپار ریس کورس میں ہی ہوا کرتا ہے۔''

''کیا اس کے سوا تم اس سے اور کسی جگہ نہیں ملیں؟''

''شاید۔'' وہ سوچنے لگی۔ ''مگر یہ سال دو سال کی بات ہے۔''

''کوئی حرج نہیں، معلوم تو ہو۔''

''کئی بار ہم پرشین ڈیری پر ملتے تھے، وہ پہلے اکثر وہاں رات کو آیا کرتا تھا۔''

''کیا تم مدھوپال سے واقف ہو، مجھے سچ سچ بتانا، ورنہ میں کسی قسم کا آدمی ہوں، تم یہ جانتی ہو۔''

''مدھوپال؟ ہاں، ایک مسخرا فلم آرٹسٹ ہے، جو فلم کمپنیوں کے چکر کاٹا کرتا ہے۔''

''بہت دن ہوئے ایک بار نیشا نے ہی اسے مجھ سے ملایا تھا، بلیرڈ کلب میں۔ اس کا دوست ہے۔''

''اور کیا جمشید اور مدھوپال ایک ہی شخصیت کے دو نام نہیں ہو سکتے؟''

''مدھوپال۔'' وہ ہنس پڑی۔ ''آپ اس سے مل کر خود اندازہ لگا لیں گے کہ وہ کتنا بے وقوف آدمی ہے۔''

''تم اس کا پتا جانتی ہو؟''

''یہ مجھے معلوم نہیں۔''

''اور یہ نیشا کو بھی معلوم نہیں، حالاں کہ وہ اس کا دوست ہے۔'' خان نے طنزیہ لہجے

میں کہا۔

''آپ اگر مجھ پر کسی قسم کا شبہ کریں تو میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ میں پچھلے چھ برسوں سے بالکل قانونی اور باعزت زندگی بسر کر رہی ہوں۔'' کانتا نے اسے یقین دلایا۔

''کیا آپ نیشا سے مل چکے ہیں؟'' اس نے پھر خان سے سوال کیا۔

''یہ جاننے کی تمہیں اجازت نہیں۔ خیر، اگر یہ اطلاعات غلط ہوئیں تو تم سے سمجھ لوں گا۔'' یہ کہہ کر خان اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر باہر نکل گیا۔ اور کانتا نے برا سا منہ بنا کر اپنی نوکرانی کو حکم دیا کہ دروازہ بند کر دے۔

لیکن نیچے آ کر خان نے ڈرائیور کر کے گاڑی کو آگے بڑھا کر ایک گلی کے موڑ پر کھڑی کرنے کی ہدایت کی اور خود اس بلڈنگ کے کونے پر فٹ پاتھ کے کنارے اس انداز سے کھڑا ہو گیا، جیسے کوئی اجنبی کسی سواری کا انتظار کر رہا ہو۔ اس طرف اندھیرا ہونے کی وجہ سے اسے چند قدم کے فاصلے سے بھی کوئی صاف نہ پہچان سکتا تھا۔ دس منٹ اس عالم میں گزر گئے، لیکن کوئی ایسی بات نہ ہوئی جس سے اس کے شبے کو تقویت پہنچتی۔ وہ اب تھک کر وہاں سے ہٹنے ہی والا تھا کہ اچانک ایک پرانی سی فورڈ کار اس عمارت کے دروازے پر آ کر رکی اور اس میں سے ایک اوسط قد و قامت کا گندمی رنگ کا آدمی اتر کر اس عمارت کے دروازے میں داخل ہو گیا۔ نہ جانے کیوں اس کے انداز رفتار سے خان کو شبہ ہو گیا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا پہلے اس کار کے نزدیک پہنچا، لیکن اس میں کوئی اور نہ تھا۔ اس کے بعد وہ بھی اس عمارت میں دوبارہ داخل ہو گیا۔

''میں آج تمہارا فیصلہ کر دینا چاہتا ہوں۔'' اجنبی، جس کی پیٹھ دروازے کی طرف تھی، خوفناک لہجے میں کہہ رہا تھا اور کانتا اس کے سامنے خوف سے زرد کھڑی تھر تھر کانپ رہی تھی۔

''مم... میں نے... اسے کچھ نہیں بتایا... کچھ نہیں۔'' وہ کہہ رہی تھی۔

''مجھے تم پر اسی دن شبہ ہو چکا تھا، جس دن افروز کے میک اپ میں تم نے اشارتاً اس

پولیس سارجنٹ سے کہا تھا کہ اس موٹے آدمی شوکت کی زندگی خطرے میں ہے۔'' وہ اس کی طرف بڑھتے ہوئے غضب ناک لہجے میں بولا۔

''وہ تو میں نے تمہارے ہی اشارے پر اسے مغالطے میں ڈالنے کے لیے کہا تھا۔''

''مجھے بے وقوف مت بناؤ، عورت۔ میں اپنے فیصلے نہیں بدلا کرتا۔''

''لیکن میں سچ کہہ رہی ہوں، مجھ پر بھروسا کرو۔''

''تم اگر اس انسپکٹر کو نہ بتاتیں تو کسی کو شبہ بھی نہ ہوتا۔''

''لیکن وہ تو میں نے انھیں بھٹکانے کے لیے کہا تھا، جمشید تو کوئی نام نہیں۔''

''پاگل لڑکی، نام سے کچھ نہیں ہوتا، وہ یہ تو جان گئے کہ تمہارا کوئی نہ کوئی تعلق اس سے رہا ہے۔''

''معاف کردو، جگدیش۔ صرف ایک بار میں اپنی غلطی تسلیم کرتی ہوں۔''

''میں کسی کو معاف نہیں کیا کرتا۔'' یہ کہتے ہوئے اس خوف ناک آدمی کی انگلی ٹرائیگر کو دبانے لگی۔ یکے بعد دیگر تین فائر ہوئے اور کانتا فرش پر ڈھیر ہوگئی۔

کئی سیکنڈ وہ خوف ناک آدمی اس طرح دروازے کو پشت کیے اطمینان سے کھڑا اسے گھورتا رہا، پھر اس نے کمرے کی کھلی کھڑکی سے ایک جست کے بعد اگلی پر پہنچ کر نچلی منزل کی اگلی پر کود پڑا۔ اتنی دیر میں سپرنٹنڈنٹ خان فلیٹ میں داخل ہو چکا تھا۔ وہ جب تک دوسری اگلی تک پہنچے، وہ پراسرار شخصیت عمارت سے کود کر فٹ پاتھ پر پہنچ چکی تھی۔ اس نے جست کی اور اپنی کار میں جا بیٹھا۔

پولیس اسٹاف کار کا ڈرائیور فائرنگ کی آواز سن کر چونک چکا تھا۔ اس نے گاڑی کا انجن اسٹارٹ کر کے فوراً ہی گاڑی بیک لے کر سڑک روک لی۔ اس کی یہ بروقت عقل مندی کام آ گئی۔ اس پرانی کار کو آگے جانے کو موقع نہ مل سکا۔ اگر اس نے پہلے ہی خان کی کار دیکھ لی ہوتی تو وہ کب کا نکل گیا ہوتا، لیکن اس کے اندازِ عمل میں اس وقت بھی گھبراہٹ کا شائبہ نہ تھا۔ اس

نے بڑی ہی تیزی سے اپنی کار کو ریورس کیا اور اس کی پرانی فورڈ بھی خدا جانے کون سا کارآمد انجن رکھتی تھی کہ وہ بڑی تیزی سے الٹی دوڑنے لگی۔ اتنی دیر میں خان اسٹارٹ کار میں داخل ہو چکا تھا۔ ڈرائیور نے پھرتی سے اس کار کا رخ اس کار کی طرف موڑا اور گاڑی دوڑا دی، لیکن بیک جاتے جاتے فورڈ کار اچانک رکی اور فوراً ہی آگے کی طرف تیزی سے دوڑ پڑی۔ وہ اتنا پھرتیلا تھا کہ خان کی کار سے ٹکراتے ٹکراتے بھی گاڑی فٹ پاتھ پر چڑھا کر دوسری سمت سے نکال لے گیا۔ خان نے اس پر دو فائر کیے، لیکن دونوں بے کار گئے، کیوں کہ اسے یہ توقع نہ تھی کہ وہ گاڑی فٹ پاتھ پر چڑھائے گا۔

اسٹاف کار پھر اس فورڈ کے تعاقب میں دوڑنے لگی۔ رات زیادہ ہونے کی وجہ سے اسے سڑکیں سونی تھیں، اس لیے دونوں کاریں آگے پیچھے برق رفتاری سے بھاگ رہی تھیں۔ خان نے فوراً ہی کمیونیکیٹر آن کر کے وائرلیس پٹرولنگ پولیس کو کال کرنا شروع کر دیا۔ وہ تعاقب کی لوکیشن بتاتا جا رہا تھا، لیکن اس فورڈ کا پلیٹ نمبر اتنا مدھم تھا کہ پڑھا نہ جا سکا، اس وجہ سے صرف اس کی ساخت اور سمت ہی پٹرولنگ کو بتائی جا سکی۔

اچانک ایک چوراہے پر تین سمتوں سے پولیس کی وائرلیس گاڑیوں نے نکل کر اس فورڈ کار کو گھیر لیا اور رکتے رکتے بھی وہ فورڈ کار پولیس کے ایک ٹرک سے ٹکرا گئی۔ خان نے اسٹاف کار کی اسپاٹ لائٹ آن کر دی، لیکن جب دوسروں کی مدد سے اس فورڈ کے نیچے سے اس پراسرار مجرم کو زخمی حالت میں نکالا گیا تو خان یہ دیکھ کر چونک پڑا کہ اس کے منہ سے جھاگ نکل رہا تھا اور نبض بہت مدھم ہو چکی تھی۔ نصف منٹ سے پیشتر ہی اس کا دم نکل گیا۔ یہ وہی طریق موت تھا جو رتن چند اور ڈاکٹر وغیرہ کے ساتھ پیش آیا تھا۔ خان اس کے چہرے کو بغور دیکھنے لگا۔ وہ یقیناً مدھوپال تو نہ تھا۔ تو پھر کون ہے؟ اس کا دماغ جرائم پیشہ افراد کے تمام دیکھے ہوئے چہروں میں اس کی مناسبت تلاش کرنے لگا۔

''صاحب، یہ کوئی چیز۔'' پٹرولنگ پولیس کے ایک سارجنٹ نے اسٹیرنگ کے

پاس سے ہی ایک چمکتی سی شے رومال سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے خان کی طرف بڑھادی۔ یہ ایک عجیب قسم کی سوئی تھی، جس کا اوپری سرا ایک انچ کے آٹھویں حصے تک موٹا تھا۔ اور نچلا سرا باریک۔ اوپری سرے پر ایک چھوٹا سا پیچ دار ڈھکن کسا ہوا تھا اور نیچے باریک سرے کی نوک کا رنگ گہرا نیلا ہو رہا تھا۔ سوئی کی لمبائی ساڑھے ۱۳ انچ تھی۔ اس کی نوک نیچے سے ایک انچ تک بہت باریک تھی۔

اسے دیکھتے ہی خان نے اس طرح اپنا ہاتھ کھینچ لیا جیسے وہ کوئی زہریلا سانپ ہو۔ پھر اس نے بڑی احتیاط سے جیب سے ایک کاغذ کا ٹکڑا نکال کر پہلے اس سوئی کو نوک سے چھوئے بغیر اس کاغذ میں لپیٹا، بعد میں رومال میں اچھی طرح لپیٹ کر اسے اپنی جیب میں رکھ لیا۔

''اس لاش کو لے جایئے اور، مسٹر چوپڑہ، آپ اس کی رپورٹ مرتب کر لیجیے گا۔ یہ ایک خطرناک خونی مجرم تھا، جس نے گرفتاری سے ڈر کر گھبرا کر خودکشی کر لی ہے۔''

''خودکشی؟'' انسپکٹر چوپڑہ نے، جو دوسری وائرلیس وین سے اتر رہا تھا، حیرت سے چونک کر پوچھا۔

''ہاں۔ آپ نہیں سمجھ سکیں گے۔ آپ ایکسیڈنٹ رپورٹ مرتب کر لیجیے۔'' یہ کہہ کر خان پھر کار میں بیٹھ گیا اور گاڑی بیک لے کر ڈرائیور نے اسٹارٹ کر دی۔ اس کی جیب تلاشی پہلے ہی لی جا چکی تھی، لیکن اس میں کوئی چیز ایسی نہ ملی جس سے حالات پر کوئی روشنی پڑتی۔

بات معمولی ہی سہی، لیکن جرائم کے نقطۂ نظر سے سنسنی خیز نوعیت رکھتی تھی۔ کیمیکل انالائزر نے صبح دس بجے ہی اپنی رپورٹ میں بتا دیا کہ اس سوئی نما کھوکھلی شے میں ایک انتہائی زہریلے سانپ کا ایسا زہر تھا جو انسان کے خون میں تحلیل ہو کر اس میں لعاب اور ہیجان پیدا کر دیتا ہے اور باریک نسوں پر خصوصاً دماغی سمت میں اس کا دباؤ اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ عام آدمی بمشکل دو منٹ تک زندہ رہ سکتا ہے۔ یہ سانپ گیری کے جنگلات میں پایا جاتا ہے اور اسکی لمبائی اوسطاً ایک سے ڈیڑھ فٹ تک ہوتی ہے۔ اس کا رنگ گہرا سبز اور نیل گوں ہوتا ہے۔

اس رپورٹ کو پڑھ کر خان کو فوراً گیری کے اطراف کے وہ پہاڑی گونڈیا دآ گئے جو افریقی قبائل سے فطرتاً کسی طرح مختلف نہ تھے، اور جنھوں نے ایک بار ایک پولیس پارٹی سے مقابلہ کرتے ہوئے اس قسم کے مہلک تیر استعمال کیے تھے جن کی نوکوں پر ایسا ہی زہر لگا ہوا پایا گیا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ ان سے واقع ہونے والی موت چند منٹ یا آدھ گھنٹے کے اندر واقع ہوتی تھی۔ لاش کا معائنہ پوسٹ مارٹم کے بعد خان خود کر چکا تھا۔ اس سوئی کی چبھن کا باریک سا نشان اسے مرنے والے کی کلائی پر دوران خون کی رگ میں نظر آ گیا تھا۔ ویسے یہ اتنا چھوٹا سا نشان تھا کہ پہلی نظر میں تو اسے دیکھ لینا مشکل ہی تھی۔ اس بات کی بھی بعد میں تصدیق ہو گئی کہ مرنے والا مدھوپال نہ تھا۔ رؤف نے اسے پہچان لیا تھا۔ یہ وہی شخص تھا جو ایک لڑکی، افروز، ڈاکٹر کے قتل کی رات اس کے مکان پر گیا تھا۔

اتنا کچھ ہو کر بھی نتیجہ صفر ہی رہا۔ وہ سلسلہ جو ریس کے ایک گھوڑے، لکی اسٹار، سے شروع ہو کر کانتا کے اور اس آدمی کی موت تک پہنچا تھا، اب تک ایک سربستہ راز بنا ہوا تھا اور خان کے پاس اگر کوئی اس کے کلیو تھے بھی تو وہ اس نے اپنے دماغ میں ہی محفوظ رکھ چھوڑے ہوں گے۔ شاید وہ مکمل نہ ہوں گے، ورنی وہ اس پراسرار مجرم کو اتنی مہلت ہرگز نہ دیتا۔ ہز ہائی نس رتن چند بھی صرف اتنا بتا سکے تھے کہ ایک نامعلوم آدمی جو ہمیشہ ان سے فون پر گفتگو کرتا رہا ہے، جو اس رات ان سے ملنے کے لیے بھی اپنے چہرہ کو سیاہ رومال سے چھپا کر آیا تھا، انھیں ان کے ایک راز کے لیے بلیک میل کرتا رہا ہے۔ ہز ہائی نس نے وہ راز بھی خان کو بتا دیا تھا، کیوں کہ خان کو اس کا شبہ پہلے ہی ہو گیا تھا اور اس نے ہی ہز ہائی نس کو مشورہ دیا تھا کہ وہ کچھ چھپانے کی کوشش نہ کریں۔

نیتا بھی قبول چکی تھی کہ وہ پانچ سال تک ہز ہائی نس رتن پور کی وابستہ رہی تھی اور بعد میں مدھوپال اسے فلم میں ہیروئن بنوا دینے کے خواب دکھلا کر یہاں لایا تھا۔ یہاں آ کر وہ اور مدھوپال دونوں ایک خطرناک نامعلوم آدمی کے پنجے میں پھنس گئے، کیوں کہ فلم میں برابر کام نہ

ملنے کی وجہ سے فاقوں کی نوبت آ گئی تھی۔انھیں مجبوراً ایک ایسے آدمی کا آلہ کار بننا پڑا جو ان کے ذریعے بڑے آدمیوں کی جیبوں پر ڈاکا ڈالا کرتا تھا،مگر رتن چند اور ڈاکٹر کے قتل کے واقعات سے اس نے قطعی لاعلمی ظاہر کی تھی۔ اس نے یہ بھی قبول کیا تھا کہ اس دن پیارے لال کی دعوت میں کسی نامعلوم سیاہ سائے نے ہی اس کی گردن پر نہ جانے کس چیز سے ایسی ضرب لگائی تھی کہ اس کی آدھی جان اس وقت ہی نکل گئی تھی۔

لیکن ان تمام واقعات کہ تہ میں جو پراسرار شخصیت کارفرما تھی، وہ تھا مسٹر ۵۵۵۔یہ تمام سلسلہ اسی کی ہدایت پر چل رہا تھا۔کانتا کا خونی بھی یقیناً ۵۵۵ تھا۔وہ پراسرار مجرم جو ایمرسن ہاؤس میں خان سے ہم کلام ہوا تھا،کوئی معمولی شخصیت نہ رکھتا ہوگا۔

خان نے ایک کاغذ پر کیس مرتب کرنا شروع کر دیا۔

پہلی واردات:لکی اسٹار...مارفیا کے انجکشن (ڈاکٹر کی حرکت تھی)۔

دوسرا واقعہ:رتن چند کا ٹریبل پول اور اس کا خون،نیشا کا ہاتھ نہ تھا۔رتن چند کو بھی کانتا کے قاتل نے ہلاک کیا ہوگا۔

تیسرا واقعہ:ڈاکٹر کا خون...(کانتا کا قاتل اور افروز یعنی خود کانتا)۔

چوتھا واقعہ:ہز ہائی نس پر ممکنہ حملہ...نامعلوم شخصیت...ہوسکتا ہے کہ خود ۵۵۵۔

پانچواں واقعہ:بالے کا اغوا...نامعلوم شخصیت...شاید خود ۵۵۵۔

چھٹا واقعہ:کانتا کا خون...(کانتا کا قاتل اور کانتا دونوں ختم) کیس کے مشتبہ کردار نیشا،ہز ہائی نس رتن پور،بیمہ ایجنٹ...منفی ۱(نام نامعلوم)،۲۔افروز،۳۔مدھوپال،خان بہادر۔

نیشا،ہز ہائی نس رتن پور اور بیمہ ایجنٹ تو خان کے قبضے میں ہی تھے۔اب لے دے کر صرف دو نام اس کے سامنے رہ گئے تھے:مدھوپال اور خان بہادر۔

خان اسی وقت اٹھ کھڑا۔

☆☆☆☆☆☆

نقلی انگلی

سب سے پہلے اس نے اپنے طور پر خان بہادر کے دوستوں کی چھان بین کی اور اس وقت اسے یہ معلوم کر کے ذرا بھی حیرت نہیں ہوئی کہ خان بہادر کو یہ خطاب دراصل بغاوت میں انگریزوں کی وفاداری کے عوض ملا تھا، ورنہ وہ کسی اچھی سوسائٹی کا آدمی نہیں تھا۔ پچھلے دو تین دنوں سے خفیہ پولیس اس کی نگرانی کر رہی تھی، مگر اب تک کوئی ایسی بات نہیں ہوئی تھی جس سے اس سلسلے میں کوئی مدد مل سکتی۔ آج ۹ بجے رات کو ہی وہ اس نامعلوم آدمی سے ملنے بھی والا تھا اور آج ہی اس نے بالے کے تبادلے کی شرط بھی طے کی تھی۔

اندرونی طور پر سی آئی ڈی کے سفید پوش آدمی ہر طرف سارجنٹ بالے کو ڈھونڈ رہے تھے۔ اور ۱۳ گھنٹے گزر جانے کے بعد بھی بالے کی خبر نہ ملنے سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہ تھا کہ وہ واقعی ۵۵۵ کے قبضے میں ہے۔

اب صرف ایک امکانی صورت، یہی رہ جاتی تھی کہ یا تو اس وقت کا انتظار کیا جائے جب وہ یا اس کا کوئی آدمی بالے کو نیشا سے بدلنے آئے یا پھر اس دوران میں اس پراسرار شخصیت کا پتا لگا لیا جائے۔

ان خیالات سے ٹکراتے ہوئے اچانک ایک تیسرا خیال خان کے ذہن میں رینگنے لگا۔ کہیں یہ خان بہادر کا ۹ بجے کا اپوائنٹمنٹ بھی کوئی فراڈ نہ ہو اور اس طرح اس کو الجھا کر وہ آدمی صاف نکل جائے۔ اس میں تو شک نہیں کہ خان کی ہر وقت توجہ نے جرائم کے اس سلسلے کو وقتی طور پر روک دیا تھا اور اسی لیے یہ شبہ بھی ہوتا تھا کہ اس طرح اس علاقے میں بس نہ چلنے پر وہ اپنے مقام نہ بدل دے، اس خیال کے زیرِ نظر ریلوے اسٹیشنوں پر اور ہوائی اڈے تک پولیس کی خفیہ نگرانی قائم کرا دی گئی تھی۔ خان نے اب تک مدھوپال پر بھی کوئی خاص توجہ نہ دی

Akram Allahabadi

تھی، کیوں کہ نیشا کے بیان اور کانتا کی باتوں سے وہ کوئی اہم شخصیت نہ معلوم ہوتی تھی۔

خان ابھی سہ پہر کے وقت تھکا ہوا سا اپنے بنگلے پر پہنچا ہی تھا کہ نوکر نے سب سے پہلی خبر ایک فون کے تین بار وصول ہو چکنے کی دی۔ کوئی خان سے بات کرنا چاہتا تھا، اور خان کے نہ ملنے پر اس نے اپنا نمبر دیا تھا کہ اس کے آتے ہی اطلاع دی جائے۔

یہ نمبر سنتے ہی خان چونک پڑا۔ یہ ۵۵۵ تھا۔ جھنجلاہٹ میں اسی وقت اسے رنگ کرنے بیٹھ گیا، لیکن ہوا وہی، جب اس نے یکے بعد دیگرے تین بار لائن کاٹ کر ۵۵۵ رنگ کیا، تب ادھر سے کسی کی آواز سنائی دی۔

''ہیلو۔'' خان نے بپھرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''ہم ادھر سے مسٹر خان فاؤ بولتا ہے۔''

آواز بالے کی تھی، خان چونک پڑا۔

''تم؟'' خان کے چہرے پر مسکراہٹ لوٹ آئی، ''کہاں سے بول رہے ہو؟''

''یہی معلوم ہوتا تو بات کیا تھی، لیکن یہی شہر۔''

''تو پھر ٹیلی فون کیسے کر رہے ہو؟''

''اس ستم ظریف نے مجھے ایک کمرے میں بند کر رکھا ہے اور ستم یہ کہ ٹیلی فون بھی دے دیا ہے کہ جس سے چاہو، بات کرو۔''

''تم وہاں تک پہنچے کیسے؟'' خان نے پوچھا۔

''کل جب میں نے ہز ہائی نس رتن پور کے بنگلے سے اسے پچھلے راستے سے نکلتے دیکھا تو آپ کی کار لے کر میں بھی اس کے تعاقب میں چل پڑا۔ پیڈر روڈ سے اس کی گاڑی سرسوتی پارک کی طرف گھوم گئی اور وہیں سے ایک اور گاڑی میرے تعاقب میں لگ گئی۔''

''سرسوتی پارک کے نزدیک ہی اگلی گاڑی سے شاید ٹیئر گیس (Tear Gas) بم پھینکا گیا، جس کے دھویں سے میرے ہاتھ اسٹیرنگ پر بہک گئے۔ اس کے بعد دو تین ہلکے

دھماکے اور ہوئے اور میری آنکھوں میں دھویں سے آنسو بھر آئے، میں نے گھبرا کر گاڑی کو بریک لگا دیا۔

لیکن اس حماقت کا نتیجہ یہ ہوا کہ پچھلے گاڑی والوں نے پستول کی نوک پر مجھے گرفتار کرلیا۔ پھر مجھے ایک نیلے شیشوں والی بند گاڑی میں یہاں تک لایا گیا ہے اور ایسے راستوں سے، جن کا اندازہ لگانا محال ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ وہی گاڑی تھی جو شوکت کو لے گئی تھی۔"

"اس کے بعد؟" خان نے پوچھا۔

"اس کے بعد راوی نے عیش کیا ہے۔ ایک قتالہ عام، دل میں بستہ کو باندھنے کے لیے..."

"کام کی بات کرو؟"

"دل بستگی کا ترجمہ کر رہا تھا۔ بہر حال اس ایک کمرے میں میرے لیے سب آرام ہے اور میرا تو جی چاہتا ہے کہ اس سارجنٹی پر لعنت بھیج کر بس ساری عمر یہیں رہوں۔"

"اور وہیں قبر بھی بنوا دی جائے گی تمہاری۔"

"یہ کسی بلڈنگ کی اوپری منزلوں میں سے ایک ہے۔ اس لیے میری قبر ۱۹ انچ موٹے فرش میں تو نہیں بن سکتی، کیا خیال ہے آپ کا؟"

"میرا خیال ہے کہ تم سامنے ہوتے تو تمہاری کھوپڑی گنجی کر دیتا۔"

"ہے ہے، آپ اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ میں کسی خوب صورتی سے اشارے کر رہا ہوں۔"

"خوب صورتی اور اشارے؟" خان نے مسکرا کر دہرایا۔ بالے کی سلامتی کی خبر نے اس کے بگڑے موڈ کو یکسر بدل دیا تھا۔

"لاحول ولاقوۃ۔ آپ سپرنٹنڈنٹ پولیس ہیں یا شاعر؟"

"اندازاً کتنی اونچائی پر ہے یہ کمرہ؟"

Akram Allahabadi

''یہ کمرہ دونوں طرف سے دوسرے کمروں میں گھرا ہوا ہے، اس لیے یہ اندازہ لگانا مشکل ہے۔''

''کتنے لوگ ہیں؟''

''میرے پاس صرف اہی ایک لڑکی آتی ہے، لیکن ہاں ایک بات شاید، لیکن کم بخت کہیں سن نہ رہا ہو۔''

''سننے دو۔''

''وہ لڑکی کچھ دیر بعد باہر جا رہی ہے اور میں نے اسے اپنے لیے کرے ون اے کا سگریٹ لانے کو کہا ہے۔''

''اے شابش، بس اب جلدی سے اس کا حلیہ بتا دو۔'' خان نے پوچھا۔

''حلیہ؟ ہائے، آنکھیں جیسے مدھ کے پیالے، ناک ستواں۔ باس، ستواں، یہ ستواں ستواں کی جمع ہے نا؟''

''اف فوہ، الو، یہ بکواس کا وقت ہے؟''

''الو کبھی بکواس نہیں کرتا، سنجیدہ ترین پرندہ۔''

''شٹ اپ۔''

''خیر سنیے، بڑی بڑی سیاہ آنکھیں، بال کترے ہوئے، ناک پتلی، چہرہ کتابی، دانت باریک اور خاص بات یہ ہے کہ داہنے رخسار پر ایک چھوٹا سیاہ داغ ہے جسے تل اس لیے نہیں کہا جا سکتا کہ دس بیس تل ملیں تب اتنا بڑا داغ... ہائے حضرت داغ دہلوی۔''

''پھر بے ہودگی۔''

''اور قد... بوٹے جیسا، رہا لباس تو وہ یقیناً بدل ہی جائے گی۔''

''رنگ کیسا ہے؟''

''رنگ؟ آپ نے کبھی قندھاری انار دیکھا ہے؟''

Akram Allahabadi

''سور، موت کے منہ میں مسخرا پن سوجھا ہے۔ جانتے ہوا سے اگر نیشا نہ ملی تو تمہاری اچار ڈال کر ہمارے حوالے کرے گا۔''

''ہونہہ، بہت کیا، بالے کا اچار ڈالنے والے کے لیے ایٹم کا دل چاہیے۔''

''خیر، کیا اس ۵۵۵ کے بارے میں کچھ معلوم ہوا؟''

''ایک خاص بات۔''

''یعنی؟''

''اس کی ایک انگلی کٹی ہوئی ہے، لیکن اس پر ایک نقلی خول چڑھا ہوا ہے۔ میں نے اسے اس وقت دیکھا جب مجھے گرفتار کرتے وقت وہ پستول تانے ہوئے تھا۔ اتفاق سے اس کی انگلی کا خول گر گیا تھا۔'' بالے نے بتایا۔

''بس بس، کافی ہے، میں جلد از جلد پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر تمہارا یہ فون کہیں اور بھی سن لیا گیا تو تم خطرے میں پڑ جاؤ گے؟''

بالے نے بھی اب سلسلۂ گفتگو منقطع کر دیا، شاید اب وہاں کوئی آ گیا تھا۔

خان کے چہرے پر اس وقت ایک ایسی چمک تھی جو بالعموم اس کے بشرے پر اس وقت ہوتی جب وہ کسی بڑی مہم کو کامیابی سے سر کر کے لوٹتا۔

وہ سیدھا پولیس ہیڈ کوارٹرز جا پہنچا۔ اس کے اسٹاف نے خود بھی کبھی اتنی عجلت میں نہ دیکھا تھا۔

''ڈیسوزا صاحب کو بلاؤ۔'' اس نے دفتر میں داخل ہوتے ہی اردلی کو حکم دیا۔ اور وہ بھی اپنے باس کو عجلت میں دیکھ کر بھاگتا ہوا ڈیسوزا کو بلانے چلا گیا۔

ڈیسوزا کو آنے میں بمشکل تین منٹ لگے۔ خان اس وقت کمرے میں پشت پر ہاتھ باندھے ٹہل رہا تھا۔

''یس، سر۔'' ڈیسوزا کی آواز پیچھے سے سنائی دی۔

Akram Allahabadi

''وہ مدھوپال کی فلموں کی کنٹنگو حاصل کیں نا آپ نے؟''

''جی ہاں۔صرف دوفلموں کی مل سکی ہیں۔ویسے اس نے تین چار فلموں میں رول ادا کیے ہیں۔''ڈیسوزا نے بتایا۔

''پروجیکٹر پر لگوایے، میں آرہا ہوں۔''خان نے ہدایت کی اور ڈیسوزا بہت خوب کہتا ہوا باہر چلا گیا۔اس کے جاتے ہی خان نے ٹیلی فون اپنی طرف کھسکالیا اور ڈائل گھمانے لگا۔

سب سے پہلے اس نے پرنسس...تھانے کو فون کیا اور اسٹیشن آفیسر کو اس لڑکی کا حلیہ بتاتے ہوئے جس کا ذکر بالے نے کیا تھا، ہدایت کی کہ فورٹ میں جہاں وہ نظر آئے، اسے روک لیا جائے۔پھر روف کو، جو خان بہادر کے مکان کی نگرانی کر رہا تھا۔ایک سفید پوش کانسٹیبل کو ہدایت کرادی کہ خان بہادر کو گرفتار کرلو۔

اس کام سے فارغ ہوکر جب وہ انویسٹی گیشن روم میں داخل ہوا تو پروجیکٹر پر فلم کے ٹکڑے چڑھائے جا چکے تھے۔کھڑکیوں کے پردے کھینچ کر اندھیرا کردیا گیا اور آپریٹر نے فلم اسٹارٹ کردی۔اس فلم میں مدھوپال ایک مزاح نگار جیب کترے کا رول ادا کر رہا تھا۔

''سلو اسپیڈ، پلیز۔''خان نے ہدایت کی اور پروجیکٹر کی رفتار گھٹادی گئی۔

اچانک خان اپنی جگہ سے اچھل پڑا۔فلم میں مدھوپال ہیرو کی جیب کاٹ رہا تھا، لیکن اس ایکشن کے کلوزاپ میں جب مدھوپال ہاتھ باہر کھینچنے لگا تو خان کی عقابی نگاہیں یہ دیکھے بغیر نہ رہ سکیں کہ اس کے ہاتھ کی پانچ انگلیوں میں سے انگوٹھے کے پاس والی ایک انگلی حرکت نہیں کر رہی تھی۔

''بس۔''خان نے پروجیکٹر روک دینے کو کہا اور انویسٹی گیشن روم سے باہر نکل آیا۔

چند منٹ بعد ہی اس کے سامنے شہر کے اور شہر میں آنے والے تمام فلمی اخبارات

میز پر پھیلے ہوئے تھے۔ وہ ایک ایک کی خبریں غور سے دیکھ رہا تھا۔ سر پر چلتے ہوئے بجلی کے پنکھے کے باوجود اسے پسینہ آ گیا۔ کتنی دیر وہ اسی دماغی محنت میں مصروف رہا، لیکن بالآخر ایک خبر پر اس کی سرخ پنسل گھوم گئی۔

''آنند اسٹوڈیوز ورلی میں فلم 'سرخ نشان' کی شوٹنگ ہو رہی تھی اور مدھوپال اس میں ایک مزاحیہ نیم مجرمانہ رول ادا کر رہا تھا۔

خان نے اسی وقت ورلی پولیس اسٹیشن کو فون کیا۔ اسٹیشن کا انچارج انسپکٹر راج خود وہاں موجود تھا۔

''اپنے آدمی لے کر ورلی کے آنند اسٹوڈیوز کو فوراً گھیرے میں لے لو۔ جب تک میں نہ پہنچوں، کسی کو نہ جانے دو، لیکن یہ اس طرح ہو کہ اسٹوڈیوز کے اندر کسی کو خبر نہ ہو۔''

''بہتر ہے۔'' انسپکٹر راج نے جواب دیا۔

ٹیلی فون کا سلسلہ منقطع کر کے خان نیچے اتر آیا۔ اسٹاف کار موجود تھی، ورلی کو پہنچتے پچیس منٹ لگ گئے۔ راستے میں دو تین جگہ جب ٹریفک زیادہ ہونے کی وجہ سے اس کی کار کو روکنا پڑا تو وہ جھنجلا اٹھا۔

گاڑی اس نے اسٹوڈیوز کے باہر ہی کھڑی کرا دی۔ اندر کام کرنے والے اور کام کی تلاش میں بھٹکنے والے لڑکوں اور لڑکیوں کی کافی بھیڑ تھی۔ اسٹوڈیوز منیجر اس کی شخصیت سے واقف ہوتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

مدھوپال سیٹ پر موجود تھا۔ دوسرے اداکاران میں سریش اور نمی وغیرہ بھی تھے، ہدایت کار فاروق اس وقت ایک شاٹ ٹیک کرنے جا رہا تھا، جب خان منیجر کے ساتھ اندر داخل ہوا۔

مدھوپال کا کام دوسرے شاٹ پر تھا، اس لیے وہ ایک آرام کرسی پر نیم دراز سگریٹ کا دھواں اڑا رہا تھا اور چند اسٹوڈیوز ورکر اسے گھیرے ہوئے تھے۔ منیجر اور خان کو اپنی طرف

آتے شاید اس نے نہیں دیکھا، لیکن جس وقت ان کے قریب آنے پر اس کی نظر خان پر پڑی تو ایک لمحے کے لیے اس کے چہرے کا رنگ پھیکا سا پڑ گیا۔ میک اپ میں ہونے کے باوجود وہ اپنی اس کیفیت کو نہ چھپا سکا۔

''آپ سے ملیے، آپ 'سرخ نشان' میں ایک بڑا رول ادا کر رہے ہیں۔ مشہور کامیڈین مسٹر مدھوپال۔'' منیجر نے خان سے اس کا تعارف کرایا۔ ''اور آپ شوٹنگ دیکھنے آئے ہیں، یہاں کے معزز آدمی۔'' منیجر نے خان کا تعارف کرایا۔

''اجی خاکسار کس قابل ہے۔ بس یوں ہی اچھل کود لیتا ہوں۔'' مدھوپال نے انکساری کا اظہار کیا۔

''بہر حال آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔'' خان نے یہ کہہ کر مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا اور مدھوپال نے بھی۔

لیکن دوسرے لمحے مدھوپال کی نقلی انگلی خان کے ہاتھ میں تھی اور مدھوپال اپنے پستول سمیت فرش پر پڑا تھا۔ خان نے اسے اتنی مہلت نہ دی کہ وہ فائر کر سکے۔ وہ اس پر ٹوٹ پڑا اور چند گھونسوں میں اسے ادھ موا کر دیا۔

سیٹ پر ایک ہنگامہ مچ گیا۔ اس وقت پولیس بھی اندر آ پہنچی۔ انسپکٹر راج خان کے سامنے اٹینشن ہو گیا۔

''اس کو ہتھکڑی لگا یے۔'' خان نے حکم دیا۔

''لیکن ان کا جرم؟'' ڈائرکٹر نے مداخلت کرنی چاہی۔

''ان کا جرم اتنا سنگین ہے کہ آپ نے اگر اس کی سفارش کرنی چاہی تو آپ بھی قانون کی زد میں ہوں گے۔''

''لیکن کچھ تو معلوم ہونا چاہیے؟'' ڈائرکٹر نے نرم لہجے میں پوچھا۔

''یہ پرلے درجے کا بلیک میلر، خونی اور خطرناک انسان ہے۔ فلموں میں مسخرے

رول لے کر اس آڑ میں یہ آج تک قانون کی نظر سے بچا ہوا تھا۔"

"لیکن بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی۔" منیجر نے مسکرا کر لقمہ دیا۔

ہیڈ کوارٹرز واپس پہنچتے ہی اسے اطلاع دی گئی کہ پرنس اسٹیشن پولیس اس مطلوبہ لڑکی کو گرفتار کر چکی ہے۔ مدھوپال تو سرے سے کسی بھی جرم میں ماخوذ ہونے سے انکار کر رہا تھا، لیکن خان کی ایک ٹیک نے خان بہادر سے یہ راز اگلوا لیا کہ رؤف اور ابراہیم اسے بھی گرفتار کر کے لا چکے تھے اور جب خان نے سارا الزام اس کے سر تھوپتے ہوئے بتایا کہ مدھوپال ہی گواہی دے رہا ہے کہ مسٹر ۵۵۵ خان بہادر ہی ہے، تو وہ گالیاں بکنے لگا۔

"وہی سور کا بچہ ہے، پانچ سو پچپن۔" وہ چیخنے لگا۔ "اس دن اس موٹے آدمی کے ایک لاکھ روپے بھی اس نے ہضم کر لیے ہیں۔ میں نے خود لا کر دیے تھے اور سارا میرا حصہ بھی ہضم کر گیا، کمینہ، حرامی۔" اور پھر خان بہادر نے بھی یہ قبول کیا کہ اس نے خود کو پراسرار بنا کر ہز ہائی نس کو بلیک میل کیا تھا اور ڈاکٹر کو کلب میں رکھ کر کتنی ہی بے ایمانیاں کیں۔

"اس نے ۵۵۵ کے تمام جرائم کی گواہی دینی شروع کر دی۔ اس انکشاف کی تصدیق نیتا نے بھی کر دی کہ مدھوپال ہی ۵۵۵ کے نام سے اس سے غیر قانونی حرکتیں کراتا رہا ہے، لیکن جب ہز ہائی نس رتن پور سے اس کی شناخت کرائی تو وہ اسے دیکھتے ہی چونک پڑا۔

"یہ تو میرا پرانا اے ڈی سی ہے، جسے میں نے نکال دیا تھا اور ان کے اس بیان سے پوزیشن بالکل صاف ہو گئی۔

لیکن ۵۵۵ کے فون کا راز ابھی تک غیر منقسم تھا۔ خان کی ہدایت پر ٹیلی فون کمپنی کا عملہ بھی پچھلے دو دن سے رات کے اوقات میں اس لائن کو چیک کر رہا تھا اور آج ہی اس کی بھی رپورٹ ملنے والی تھی۔ البتہ کانتا کے قاتل کی شناخت اس کی تصویر سے ہو گئی، وہ ریس کا ایک بدمعاش بکی تھا۔

گرفتار ہونے والی لڑکی نے صرف اتنا بتایا کہ اسے اس کے نامعلوم باس نے ایک

قیدی کی خبر گیری کے لیے وہاں مقرر کیا تھا۔اس نے اس کے مقام کا جو پتا بتایا تو خان حیرت سے اچھل پڑا۔اور اسے ہنسی آ گئی۔

وہ بار بار اس جگہ سے گزر چکا تھا،لیکن خدا جانے کیوں آج تک اس نے اس ۵۵۵ کے ٹریڈ مارک والی سگریٹ کے پبلسٹی بورڈ پر غور نہیں کیا تھا، جو بجلی کے بلبوں سے مزین تھا اور رات کے اوقات میں فرگوشن روڈ کے کونے پر دور سے چمکتا نظر آتا۔

پولیس کی کاریں اس وقت چل پڑیں۔فرگوسن روڈ کے کونے پر نریمان بلڈنگ کی پانچ منزل اونچی بلندی آسمان سے باتیں کر رہی تھی اور اس کی سب سے اوپری چھت پر سڑک والے کونے کی طرف ۵۵۵ کا دس فٹ چوڑا، پندرہ فٹ لمبا پبلسٹی بورڈ نصب تھا۔اس کے ٹھیک نیچے جو فلیٹ تھا اس کے دروازے پر موجود ایک خوف ناک سی شکل کا آدمی پولیس کی وردیاں دیکھتے ہی بھاگنے لگا، لیکن ابراہیم نے اس کی کمر تھام کر اسے پٹک دیا اور رؤف نے ہتھکڑی ڈال دی۔

فلیٹ کے اندر دوسرے کمرے میں بھی دو آدمی موجود تھے۔وہ لاپرواہی سے تاش کھیل رہے تھے،مگر ڈیسوزا کے پستول نے انھیں فرار ہونے کی مہلت نہ دی۔

تیسرے کمرے کا جب بند دروازہ کھولا گیا تو سامنے کوئی نظر نہ آیا، رؤف نے محتاط انداز میں آہستہ سے قدم رکھ کر اندر جھانکنا چاہا ہی تھا کہ اس کی چیخ سن کر ڈیسوزا اور ابراہیم بھی دوڑ پڑے۔

''لاحول ولاقوۃ۔یہ کیا مذاق ہے آخر؟ لعنت ہے اس ماتحتی پر۔'' رؤف زور زور سے بڑبڑانے لگا۔

ڈیسوزا، بالے کو دروازے کی آڑ سے نکلتا ہوا دیکھ کر مسکرایا۔

''کیا بات ہے، بالے صاحب؟'' ڈیسوزا نے پوچھا۔

''میں سمجھا تھا کہ چوہے کی دم ہے، اس لیے پکڑ کر جو جھٹکا دیا تو نکلے بھائی حرام

مونچھ۔"

اس جواب پر سب کے قہقہے چھوٹ گئے، لیکن رؤف ، بالے کو ایسی نظروں سے گھورنے لگا، کیسے کسی فری اسٹائل کا چیلنج دے رہا ہو۔

شام کو ٹیلی فون کمپنی کی جو رپورٹ آئی، وہ صرف ایک لائن کی تھی اور اس لائن میں اس پورے کیس کا راز پوشیدہ تھا۔ رپورٹ میں لکھا تھا:

'کسی نے ۵۵۵ نمبر فون کی مین لائن میں زمین دوز کنیکشن لگا کر اسے ڈبل کرلیا تھا۔ کنیکشن کے یہ تار فرگوشن روڈ کی نریمان بلڈنگ کے وال پائپ تک پہنچے ہوئے ہیں۔ آگے کی تحقیق جاری ہے۔'

اور خان نے اس کا جواب لکھوایا کہ 'آگے تحقیق کی ضرورت نہیں ہے۔'

پریس رپورٹروں کو اس کیس کی تفصیلات بتاتے ہوئے، ان کے ایک سوال کے جواب میں خان نے ایک ایسی بات کہی جو وہ نوٹ کیے بغیر نہ رہ سکے۔

اس نے کہا تھا۔"چالاک سے چالاک مجرم کی خود اعتمادی اگر حد سے تجاوز کر جائے تو وہ قانون کے شکنجے میں خود بخود آ گرتا ہے۔"

☆☆☆ ختم شد ☆☆☆

Akram Allahabadi